

دستِ انتقام

مولف
سیّد حُسین محمد نقوی الامروہی

45

دست انتقام

مؤلف

سید حسین محمد نقوی الامروہوی

(ایڈووکیٹ)

نام کتاب : دست انتقام

تعداد :

ناشر : سید ناصر مہدی نقوی
شاہ چراغ چیمبرز، لاہور

قیمت :

اسٹاکسٹ: افتخار بک ڈپو ○ اسلام پورہ، لاہور

فہرست

۱۔	عرض مؤلف	4
۲۔	آواز انتقام	8
۳۔	تحریک انتقام	23
۴۔	نسل ابن زیاد کا خاتمہ	40
۵۔	ابن زیاد اور حصین بن نمیر کی ہلاکت	47
۶۔	یزید کا انجام	56
۷۔	قاتلان امام حسینؑ بشیر، مالک، ابن اسعد، حارث، خولی وغیرہ کا انجام	63
۸۔	عمر سعد اور اس کے بیٹے حفص کی موت	71
۹۔	ابو الخلیعی شاعر یزید کی موت	77
۱۰۔	حرملہ، زیاد ابن رقاد، عمر بن حجاج، حکم بن طفیل اور شمر ذی الجوشن کی ہلاکت	86
۱۱۔	امیر مختار کی شہادت اور مصعب بن زبیر کا انجام	94
۱۲۔	ترجمہ زیارت امیر مختار	102

عرض مؤلف

اس عرضداشت کے لکھنے کا مقصد قارئین کرام کے ذہنوں کو اس کتاب کے مطالب سے واقف کرنا ہے۔ مجھے یہ احساس ہے کہ میں اہل قلم ہونے کی لیاقت نہیں رکھتا پھر بھی یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ اس کتاب کے مطالب معلوم ہونے کے بعد ان کی پیروی کرنا چاہیئے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ خون ناحق حضرتؑ امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کا انتقام لینے کے لئے اور قاتلانِ و ملعونوں کی سرکوبی کے لئے دست قدرت نے دست مختار اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں کو متعین فرمایا اور اپنی تائید و مدد ان کے شامل حال رکھی۔ یہ انتقام ایک ایسی قوم سے جس کے پاس مال تھا' دولت تھی' جمعیت تھی' بیت المال تھا' فوج تھی' تربیت یافتہ لشکر تھا' شام سے عراق اور عراق سے مصر تک عنان حکومت قبضہ میں تھی' ایک معمولی شخص جو ان کا قیدی تھا کے ہاتھوں تباہ و برباد کچھ اس طرح اس منتظم حقیقی نے کرایا کہ صفحہ ہستی پر ان کا نام نشان تک باقی نہ رہا۔ اس انتقام کے لئے امیر مختار اور ان کے ساتھیوں کو جن ہموار اور ناہموار مرحلوں سے گزرنا پڑا اور تکالیف برداشت کرنی پڑیں جس کے نتیجہ میں امیر مختار کو

فتح و کامرانی نصیب ہوئی اور مقصد انتقام حاصل کیا وہ خون ناحق کی حقانیت کا اثر اور امیر مختار اور ان ساتھیوں کی خلوص نیت' وفا و عقیدت' عزم صمیم اور شجاعت کا پھل تھا۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے اپنے دوست کو پہچانا جس کی جنگ عوام کے حق میں ان کو ظلم و استبداد کے شکنجہ سے آزاد کرانے کے لئے تھی اور وہ جماعت دشمن کے خلاف اٹھ کھڑی ہو گئی۔ یہ امیر مختار ہی تھے جنہوں نے ایک انقلابی تحریک کی لہر دوڑا دی۔ مقابلہ کیا اور ہرگز مغلوب نہ ہوئے۔ قید ہوئے رہا ہوئے اور پھر قید ہوئے لیکن قیدخانہ میں بھی اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ یہ قید ان کے آہنی ارادوں کو متزلزل نہ کر سکی۔ بعض حضرات امیر مختار کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ مال و دولت و حکومت حاصل کرنے کے لئے کیا اور انتقام خون امام حسین علیہ السلام کو محض ایک آلہ کار بنایا۔ کوئی بھی صاحب عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کر سکتا کیونکہ جب امیر مختار تخت حکومت پر متمکن ہو گئے تو ان کو سلطنت کے مشاغل میں مصروف ہونا چاہئے تھا اس کو مستحکم کرنے کی تدابیر کرنا چاہئے تھیں۔ مال و دولت کو جمع کرنا چاہئے تھا۔ ہر طرح کے سامان عیش و اسباب راحت فراہم کرنا چاہئے تھے۔ انتقام خون ناحق کو بھول جانا چاہئے تھا لیکن ہمیں واقعات اور تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایسے خیالات سے کوسوں دور رہے اور ایک لمحہ بھی اس طرف توجہ نہ کی۔ قدرت نے جس اہم مقصد کے لئے ان کے دست انتقام کو چنا تھا اور جو خدمت ان کو تفویض فرمائی تھی ہر وقت ہر لحظہ اسی میں منہمک رہتے تھے۔ ملعونوں کی گرفتاری اور ان کو واصل جہنم کرنا حکومت پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد ان کا مقصد واحد تھا اور جب تک ان کے نام

و نشان کو صفحہ ہستی سے مٹا نہ دیا کبھی آرام سے نہ سوئے۔ نرم بستر پر سر نہیں رکھا۔ بالوں میں کنگھی نہیں کی۔ آئینہ کا منہ نہیں دیکھا۔ کسی کے ساتھ رعایت نہ کی۔ رشتہ داروں اور دوستوں سے بھی ایک ذرہ برابر کسی قسم کی رعایت نہ کی اور صاف کہہ دیا کرتے تھے کہ خدا اور رسول کے معاملہ میں قرابت اور رشتہ کا کوئی واسطہ نہیں۔ انھوں نے اصطلاحی سیاست کو ٹھکرا کر سیاست علوی کو پیش نظر رکھا اور عوام کے افکار میں انقلابی روح پھونکتے۔ ایک صحیح اسلامی حکومت قائم کرنے اور خون شہداء کربلا کے انتقام لینے کے نظریہ پر قائم رہے اور عمل کیا۔

اوائل اسلام میں اکثر شجاعان اسلام کی حقیقت کو پوشیدہ رکھا گیا اور ان کے وہ واقعات بیان کیے گئے جن سے ان کا دور سے بھی واسطہ نہ تھا۔ ایسا صرف اس لئے کیا گیا کہ جابر اور ظالم حکمران نہ چاہتے تھے کہ شجاعان اسلام کی فداکاریوں کی داستانیں منظر عام پر آئیں اور عوام کے جذبہ فداکاری کو زندہ کر دیں اور ان کی اسلامی لبادہ اوڑھی ہوئی ریاکارانہ حکومت کی بنیادیں ہل جائیں۔ اسی طرح امیر مختار اور ان کے ساتھیوں بالخصوص سلیمان ابن خزاعی اور جناب ابراہیم ابن مالک اشتر کی فداکاریوں اور کارناموں کو پوشیدہ رکھا گیا۔ اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ امیر مختار اور ان کے ساتھیوں کے صحیح واقعات کو اور تاریخی انتقام کو پیش کیا جائے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "مختار کو برا نہ کہو انھوں نے ہمارے جد کے قاتلوں کو قتل کر کے ہمارا دل ٹھنڈا کیا ہے" علمائے کرام رضوان اللہ علیہم نے ان کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں۔ چنانچہ ابن نما علیہ الرحمتہ کے اشعار اور ان کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے:

جاء لفخار الفتى المختار اذ قعدت من نصره سائرالعرب والعجم
جادت من رحمته الجبار صارقة تحيي على قبره مخلة الديم

ترجمہ: بہادر مختار نے امام تشنہ کام کے خون ناحق کا بدلہ اس وقت لیا جب کہ عرب و عجم نصرت سے پیٹھ موڑ چکے تھے خدا کی رحمت کا ابر ان کی قبر پر رحمت کی بارش کرتا رہے اور اس کو تر رکھے۔

بلاشبہ امیر محترم کی خدمت اور فداکاریاں ایسی تھیں جن سے اہلبیت کے دہکتے دل ٹھنڈے ہوئے، بنی ہاشم کا سوگ اترا، امام العصر والزمان مسرور ہوئے اور دعائے خیر دی۔ مسلمانوں کے زخمی دلوں پر مختار نے مرہم رکھا لیکن کیا یہ انتقام کافی تھا نہیں ہرگز نہیں۔ ہم اس وقت کے منتظر ہیں کہ جب خاندان رسالت کے آخری امام تشریف لائیں اور خون ناحق امام حسین علیہ السلام اور شہداء کربلا کا انتقام لیں اور ایک صحیح اسلامی حکومت قائم فرمائیں۔ پروردگار عالم آپ کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔ آمین ثم آمین!

خاکپائے امام العصر والزمان (ع)

سید حسین محمد نقوی الامروہوی

ایڈووکیٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آوازِ انتقام

یوں تو اس دنیا میں ہزاروں بے گناہوں کا خون بہا اور بہتا رہے گا۔ یہ دنیا ہزاروں انقلابات کی جولان گاہ بنی رہی اور بنتی رہے گی۔ زمین لاکھوں انسانوں کے خون سے لالہ زار ہوئی اور ہوتی رہے گی لیکن کسی خون کی رنگینی پائیدار ثابت نہ ہو سکی یقیناً انقلابات نے رونما ہو کر اہل دنیا کے دلوں میں اختلاج پیدا کیا۔ مگر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد سکون ہو گیا۔ دنیا کی اس بزم میں ہزاروں انسانوں کی صف ماتم بچھی مگر پھر اٹھ گئی۔ کسی حادثہ کا دائمی اثر نہ ہو سکا لیکن نہ معلوم کربلا کی داستان میں چند گھنٹوں کی جنگ نے نینوا کے درد انگیز قصہ میں کیسا درد بھرا ہوا تھا جس کا اثر ہر دل میں اور جس کا تصور آج کے ہر دماغ میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں زیادہ خون بہا جنگوں میں زیادہ آدمی مارے گئے۔ مال و اسباب کثرت سے لوٹا گیا مگر دل کے پاک اور عزیز ترین جذبات کی قربانی اتنے اثر انگیز اور نتیجہ خیز طور پر کہیں پیش نہیں ہوئی جیسی کربلا کی زمین پر رسولؐ اسلام کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام نے پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ مادی دنیا کے انسانوں کی سوگواری چند روز ہی رہی لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کی سوگواری اور

عزاداری زمان و مکان کی قید سے آزاد ہے۔

ابتداء آفرینش میں بھی ان کی صف ماتم بچھی۔ آج بھی ان کی عزاداری قائم ہے اور مستقبل میں بھی قائم رہے گی۔ کربلا کا فاتح دنیا کو انسانیت کا درس دینے کے لئے اٹھا تھا حضرت امام حسین علیہ السلام کا مقصد انسانیت اور اس کی شرافت و فضیلت کو حیوانیت اور بہیمیت کے شکنجوں سے آزاد کرانا تھا۔ وہ دنیا کے لئے حق و صداقت کا پیغام لے کر آئے تھے ان کی زندگی آزادی اور حریت کے ساتھ عبودیت الٰہی کا ایک سانچہ تھی جس میں ہر صاحب بصیرت اپنی سیرت کو ڈھال سکتا ہے۔ ان کا کردار عالم انسانیت کے لئے ایک بلند معیار تھا جس کی وجہ سے ہر انسان اپنے افعال و اعمال کو معراج کی منزل پر پہنچا سکتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام وہ تھے جنہوں نے اس وقت کی سب سے بڑی مسلمانوں کی حکومت جس میں شیطانی، ابلیسی اور یزیدی نمونہ اسلام رائج تھا اور وہ اسلام جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر علیہم السلام لائے تھے جس کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے محنت شاقہ سے آبیار کیا تھا اس کی کمر خمیدہ ہو کر لوگوں کے دلوں سے مٹا جا رہا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی قربانی پیش کر کے ان انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کو بچا لیا اسی لئے وہ وارث آدمؑ وارث نوحؑ وارث ابراہیمؑ وارث موسیٰؑ وارث عیسیٰؑ وارث محمد مصطفیؐ وارث علی مرتضیٰؑ وارث فاطمہ زہراؑ اور وارث امام حسنؑ تھے۔

دنیا یہ اچھی طرح جانتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اقربا و انصار کسی جرم کی پاداش میں یا کسی قتل کے قصاص میں قتل نہیں

کیے گئے۔ وہ صرف اس لیے قتل کیے گئے کہ انھوں نے یزید کی بیعت نہیں کی۔ اگر امام علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے تو نہ آپ کا بھرا گھر لٹتا' نہ آپ کے اقربا و انصار قتل کیے جاتے بلکہ آپ جو چاہتے وہ یزید دیتا اور اگر نہ بھی چاہتے تو مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت کے معاون و مددگار ہو کر سب کچھ حاصل کر سکتے تھے۔ آخر ایسی کون سی چیز تھی کہ سب کچھ لٹا دیا۔ بھرا گھر کٹوا دیا مخدرات عصمت کی بے پردگی' بازاروں میں بے کجاوہ اونٹوں پر سر برہنہ جانا گوارا کیا۔ درباروں میں پھروایا جانا برداشت کیا لیکن بیعت کرنے کا اقرار نہ کیا لیکن جو لفظ انکار کا ایک دفعہ دہن مبارک سے نکل گیا وہ چاہے کچھ ہو جائے اٹل رہا نہ بدلا۔

کیا امام علیہ السلام کو یہ امید تھی کہ ان کی عظیم قربانی سے حکومت جو خلافت کی دعویدار تھی صحیح اصول پر آ جائے گی۔ کیا یزید اور یزیدیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیا حق کو تسلیم کر لیا جائے گا اور باطل مٹ جائے گا۔ ظلم و جور کی حکمرانی نیست و نابود ہو جائے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی امت باطل سے ہٹ کر حق کی طرف آ جائے گی اور جو ظلم و ستم آل محمدؐ پر ہو رہا ہے اس کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور آل رسولؐ آرام اور عافیت کی زندگی بسر کرے گی اور شریعت حقہ ہر طرف دکھائی دے گی۔ اگر ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہو گئی ہوتی تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ امام علیہ السلام نے ان مقاصد کو سامنے رکھ کر بیعت نہ کی اور عظیم قربانی کو قبول کیا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ نہ خلافت کا رنگ بدلا نہ حکومت نے اپنی روش بدلی۔ وہی ظلم و جور' وہی باطل پسندی اور حق سے دوری رہی۔ خاندان رسالت اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ظلم و جور کا نشانہ رہا حالانکہ وہ

انتہائی خاموش اور صابرانہ زندگی گذار رہے تھے لیکن سادات اور ان کے متبعین کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کیا جاتا رہا۔ زندہ دیواروں میں چنا جاتا رہا ان کے خون سے گارے بنائے گئے۔ امام علیہ السلام کے روضہ مبارک کو مٹانے کی غرض سے ہل چلوائے گئے۔ پانی چھوڑا گیا اور آگ لگوائی گئی۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام پر برسا برس منبروں سے سب و شتم کیا گیا۔ کیا دنیا کے ظلم و جور' قہر و استبداد کا کچھ رنگ بدلا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ دنیا جوں کی توں بلکہ بد سے بدتر ہو گئی۔ پھر ہم کیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے ان مقاصد کے لئے بیعت سے انکار کیا اور شہادت کو منظور کیا۔ حقیقت میں انکار بیعت کا سبب ہی کچھ اور تھا۔

یزید کی طرف سے اصرار بیعت اور امام علیہ السلام کی طرف سے انکار بیعت۔ آخر اس اصرار کا سبب کیا تھا اور کیوں تھا؟ جبکہ بعد انتقال جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اور آپ کے فرزندان اور گیارہ ائمہ معصومین علیہم السلام ہر حکومت اور ہر حکومت کی' ہر مہم سے دور رہے نہ منفی جہاد میں شریک ہوئے۔ پھر بھی ہر حکومت کی کڑی نگاہیں ان پر رہیں اور ان کو اپنے لئے بھاری پتھر خیال کیا اور اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے ان پر ہر طرح کا ظلم و تشدد روا رکھا' شہید کیا اور اپنی راہ سے ہٹایا۔ اگر اس خاندان کا ایک فرد بھی اپنے عہد کی حکومتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا تو یہ حکومتیں یہ سمجھتیں کہ یہ لوگ ہم کو خلیفہ بحق تسلیم کرتے ہیں اور عوام یہ خیال کرنے لگتے کہ جب خانوادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان حاکموں کو اور ان کے دین کو تسلیم کر لیا تو یہی وہ دین ہے جو حضور' لائے تھے پھر عوام ان حاکموں کے

طور و طریقہ پر عمل کرتے اور دین حقیقی کو فراموش کر دیتے اور یزید کا یہ کہنا کہ بنو ہاشم نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ایک ڈھونگ رچایا تھا۔ نہ کوئی رسول آیا اور نہ کوئی وحی آئی بچ ہو جاتا۔ اس لئے اصرار بیعت تھا اور ادھر انکار بیعت۔ یہ انکار بیعت امام حسین علیہ السلام اور ان کے خاندان کی طرف سے پہلا واقعہ نہ تھا اور انکار بیعت یزید اس گھرانہ کی طرف سے کوئی پہلی مثال ہرگز نہ تھی بلکہ ہر امام کا مستقل یہ طریقہ رہ کہ اپنے اپنے عہد کے حکمران کی حکمرانی کو ضرور برداشت کیا لیکن کسی امام نے اپنے حق حکومت کو حاصل کرنے کے لئے جنگ و جدال نہیں کیا اور نہ ہی کسی امام نے بھی کسی کو استحقاقاً خلیفہ ہونا تسلیم کیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے تیسری خلافت کے وقت کسی بھی حکمران کے اتباع کو قبول کر کے خلیفہ ہونا پسند نہ کیا۔ اصرار بیعت اور انکار بیعت سے حق و باطل کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آیت اطیعو اللہ و اطیعولرسول و اولی الامر منکم یعنی رسول اور اولی الامر دونوں کی اطاعت کا حکم ایک جملہ میں ایک ہی شان سے دیا گیا ہے۔ اس حکم اطاعت میں نہ کسی حکم کی قید نہ کسی حکم کا استثناء ہے۔ ہر حکم کی اطاعت ہر مومن پر فرض کی گئی ہے اس سے یہ ثابت ہوا کہ رسولؐ اور اولی الامر کا ہر حکم مشیت الٰہی ہے اور رسولؐ اور اولی الامر کا مقرر ہونا اللہ کی جانب سے ہے۔ ان کی اطاعت فرض کی گئی ہے لیکن اس اطاعت کے لئے کوئی جبر نہیں ہے چاہے کرو چاہے نہ کرو لیکن ان ہستیوں سے مقابلہ کرنے والوں نے جبر و تشدد سے لوگوں کو اپنا مطیع بنانا چاہا۔ حق اپنے آپ کو منوانے کے لئے کبھی تشدد نہیں کرتا کیونکہ حق اپنے نہ مانے جانے پر بھی حق ہی رہے گا مگر باطل اگر تشدد سے کام نہ لے تو

اسے مانا کیسے جائے گا اور اگر مانا نہ جائے تو کیا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ خدا رسول اور اولی الامر اپنے آپ کو منوانے کے لئے کبھی نبرد آزما نہیں ہوئے۔ خدائی کا دعویٰ ہو یا نبوت و امامت کا اگر صرف دعویٰ کی حد میں رہے تو اسے برداشت کیا جا سکتا ہے اور برداشت کیا گیا لیکن اگر خدائی کا مدعی یہ چاہے کہ خود خدا بھی اس کو خدا مان لے اور رسالت اور اولی الامر کے مدعیان بھی یہ چاہیں کہ رسول اپنی رسالت کو اور اولی الامر اپنی ولایت کو خیرباد کہہ کر ان کو رسول اور اولی الامر تسلیم کر لیں تو یہ بات ناقابل برداشت ہو گی' ناممکن ہو گی۔ اگر خدا نے غیر خدا کو مان لیا رسول و اولی الامر نے غیر رسول اور غیر اولی الامر کو مان لیا تو وہ مانا ہوا خدا حقیقتاً خدا ہو جائے گا اور خود خدا خدا نہ رہا۔ اسی طرح غیر رسول کو رسول اور غیر اولی الامر کو اولی الامر مان لیا تو رسول رسول نہ رہا اور حقیقی اولی الامر اولی الامر نہ رہا تو پھر یہ کیسا خدا' رسول اور حقیقی اولی الامر ہو گا جو حق سے ٹوٹ کر باطل سے جا ملے۔

نہ خدا رہا نہ رسول' نہ دین رہا اور نہ قرآن رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ہر امام نے اپنے مقابلہ کی ہر صورت حال کو برداشت کیا' ظلم سہے' جانیں دے دیں' گھر بار لٹوا دیئے مگر اظہار حق سے آگے قدم نہ بڑھایا اور خود سے کوئی تشدد کی راہ اختیار نہ کی کیونکہ انسانوں کو ان کی اطاعت کا حکم تھا خود ان حضرات کو یہ حکم نہ تھا کہ تم بندوں کو اپنا مطیع بناؤ۔ یہ اسباب تھے' اصرار بیعت اور انکار بیعت کے۔

سچ تو یہ ہے کہ ان ہستیوں نے خدا کی خدائی کو' رسولؐ کی رسالت کو' انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو اولی الامر کی ولایت کو بچا کر اور اپنے خون سے

آبیاری کر کے دین حقہ کو بچایا۔ ظلم کی انتہا کو مظلومیت کی سپر سے مدافعت کی اور دنیا کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ سبق دیا کہ باطل سے حق کے تحفظ کی خاطر مظلومیت ہی سے دفاع کیا جا سکتا ہے اور پھر ہی باطل نیست و نابود ہو گا اور حق روشن و آشکار رہے گا۔ باطل کی اکثریت حق کی اقلیت کو زیر نہ کر سکی۔ کربلا کا واقعہ وہ یگانہ مثال ہے جس میں باطل پرستوں کی تعداد لاکھوں میں اور حق پرستوں کی تعداد جو مشہور روایت کے مطابق بیان کی گئی ہے وہ بہتر تھی جو اسلام کی حقیقی روح پر اس طرح ثابت قدم تھی کہ ان میں سے ایک بھی باطل پرستوں کی طرف جانا تو درکنار ان میں سے ایک ایک نے وہ انقلابی جنگ کی کہ یزیدی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔

امام حسین علیہ السلام نے پہلی بار اور آخری مرتبہ دنیا کے سامنے سچے مسلمانوں کی ایک متحد جماعت کی مثال پیش کی کہ اس طرح صحیح اقلیت کی ہوتی ہے۔ اگر امام حسین علیہ السلام کربلا میں صرف اپنی جان اسلام کی خاطر نثار کر دیتے تو مسلمانوں کے لئے صحیح نمونہ عمل پورے طور پر نہ ملتا اس لئے کہ یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ معصوم تھے' غیر معصوم اتنا سخت امتحان نہیں دے سکتا۔ اگر امام علیہ السلام اپنے ساتھ صرف بنی ہاشم کو لائے ہوتے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ ہاشمی خون کا اثر تھا لیکن امام حسین علیہ السلام نے اپنے ساتھ غیر خاندان اور ان کی تمام جماعتوں کے بہت سے اصحاب و انصار و اعوان کو مثال میں پیش کیا جن کے خیالات' احساسات و جذبات میں حد مشترک صرف اور صرف نصرت اسلام کے اور کچھ نہیں تھا۔ حقیقتاً اتنے ہم آہنگ' ہم دل' ہم زبان ثابت قدم' پختہ مسلمان دنیا کے سامنے بطور نمونہ عمل پیش کئے کہ نہ واقعہ کربلا کے پہلے کبھی پیش ہوئے اور نہ واقعہ کربلا کے

بعد اسی لئے واقعہ کربلا نے ایک عظیم انقلاب کی داغ بیل رکھ دی جو واقعہ کربلا کے فوراً بعد ہی شروع ہو گیا۔

ظاہر بظاہر نواسہ رسولؐ کو شکست اور یزید ملعون کو مادی فتح ہوئی۔ بیمار کربلا کو پا بہ زنجیر اور بہنوں کے اونٹوں کی مہار پکڑے بازاروں میں پھرایا گیا اور اپنی فتح اور خاندان رسالت کی شکست کی تشہیر کی گئی جس کی مثال نہیں ملتی لیکن کسی ظالم کے غالب آ جانے اور کسی مظلوم کے مغلوب ہو جانے پر فتح و شکست کا دار و مدار نہیں بلکہ اس کا دار و مدار تو ہر ایک کے مقاصد کے حاصل ہونے پر ہے کہ کون اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ کربلا کے واقعہ نے یزید کی وسیع سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا ادھر نواسہ رسولؐ کی گردن مبارک بوسہ گاہ رسالت کا آخری قطرۂ خون کربلا کی گرم ریت پر ٹپکا ادھر حکومت کے قصر کی بنیادیں لرزنے لگیں۔ شہادت امام مظلوم کے بعد ہی ان سے اور ان کے فرزند بیمار کربلا سے ہمدردی اور ظالموں سے نفرت کی لہر دوڑ گئی اور اسیران اہلبیت پر ہر طرف سے صلوٰۃ اور ظالموں پر لعنت و پھٹکار پڑنے لگی۔ جب خیام اہلبیت کو آگ لگا دی گئی اور رسولؐ مقبول کی نواسیاں علی اور بتول کی بیٹیاں پردے والی بیبیاں سر برہنہ خیموں سے باہر نکلیں۔ قبیلہ بکر کے یزیدی فوج کے ایک سپاہی کی عورت یہ قیامت خیز منظر دیکھ کر اپنے خیمہ سے باہر آئی اور چلا کر بولی "بکر قبیلہ بکر ابن وائل کے شریف مسلمانو تمہاری غیرت و حمیت کہاں کھو گئی۔ تم رسولؐ اللہ کی نواسیوں کو بے پردہ دیکھ رہے ہو اور خاموش ہو تلوار کیوں نہیں اٹھاتے اور ظالموں سے انتقام کیوں نہیں لیتے" یہ انتقام کی پہلی آواز تھی جو بیکس قیدیوں کی حمایت میں بلند ہوئی لیکن ابن سعد کے خوف سے کربلا کی فضا میں گونج

کر رہ گئی اور اہلبیت کے قیدیوں کا قافلہ کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب یہ قافلہ کوفہ میں داخل ہوا تو کوفہ کے لوگ زرق برق لباس پہن کر ان کا تماشہ دیکھنے آ رہے تھے۔ ان قیدیوں پر صدقہ کے میوہ پھینکنے کے لئے آ رہے تھے۔ یہ وہی کوفہ ہے جہاں یہ قیدی ایک وقت حاکم تھے آج زنجیروں میں جکڑے ہوئے بے کجاوہ اونٹوں پر بیٹھے ہوئے کوفہ میں داخل ہو رہے ہیں اور بیمار کربلا اسی کوفہ کا شہزادہ ماں بہنوں کے اونٹوں کی مہار پکڑے ہوئے چلا آ رہا ہے۔ جب رسول اللہ کی بڑی نواسی جناب زینب نے ان تماشائیوں کو دیکھا تو نہ رہا گیا اور دردناک آواز میں کہا کوفہ والو آؤ دیکھو ہمارا تماشہ ہم غیر تو نہیں وہی تو ہیں جن کے جد کا تم کلمہ پڑھتے ہو۔ آؤ آؤ اور اچھی طرح ہمارا تماشہ دیکھو۔ تم نے ہمارے وارثوں کو قتل کیا اور ہمیں قید کر کے سر برہنہ بازاروں میں پھرایا۔ دیکھو دیکھو میرے کھلے سر کو دیکھو یہ وہی سر ہے کہ اتفاقیہ کھل جانے پر آفتاب بلند نہ ہوا تھا۔ شہزادی کونین کا یہ کلام سن کر کہرام بپا ہو گیا۔ یہ ہے حسین مظلوم کی روحانیت کا کرشمہ یہ تھی دوسری آواز جو مظلوموں کی ہمدردی میں قاتلوں کے مجمع سے بلند ہوئی۔

اس شیطانی فتح کی خوشی میں ابن زیاد نے عالیشان دربار لگایا۔ رسول خدا کے نواسے اور نواسیاں رسن بستہ سامنے کھڑے کئے گئے۔ سید الشہدا کا سر مبارک ایک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے لب ہائے مبارک پر چھڑی رکھ کر کہا کہ حسین کے دانت کس قدر حسین ہیں۔ زید بن ارقم صحابی رسول یہ دیکھ کر بے تاب ہو گئے اور کہا مرجانہ کے بیٹے چھڑی ہٹا لے میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ کو ان لب و دندان کے بوسے لیتے دیکھا ہے۔ ابن زیاد جھلا گیا اور زید بن ارقم کو دربار سے نکل جانے کا

حکم دیا۔ یہ تھی بھرے دربار میں حقانیت کی تیسری آواز جو حکومت کے خلاف بلند ہوئی۔ یہ آواز بھی دربار کی فضا میں گونج کر رہ گئی۔

اہلبیت اطہار کا لٹا ہوا قافلہ کوفہ سے روانہ ہو کر عالم غربت کی انیس منزلیں طے کرتا ہوا شام میں داخل ہوا۔ شہر سجا ہوا ہے۔ شام والے زرق برق لباس پہنے ہوئے ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہیں۔ یزید نے اس شیطانی جشن اور فتح کی خوشی میں دربار آراستہ کیا۔ سات سو کرسی نشین تھے۔ آل رسول ؐ مخدار اہلبیت اطہار کو بازاروں میں تشہیر کرنے کے بعد دربار میں پیش کیا گیا۔ سر امام عالی مقام طشت طلا میں یزید کے تخت کے نیچے رکھا گیا۔ قیدیوں کو سر برہنہ رسن بستہ تخت کے سامنے کھڑا کیا گیا۔ یہ منظر دیکھ کر قیدی امام سے نہ رہا گیا فرمایا اے یزید اگر نانا رسول ؐ خدا ہمیں اس حال میں دیکھتے تو کیا فرماتے۔ یزید بولا۔ تمہارے باپ نے میری بیعت سے انکار کیا۔ قتل ہوئے اور تم کو یہ روز بد دکھلایا۔ امام نے فرمایا خدا لعنت کرے اس پر جس نے میرے مظلوم باپ کو شہید کیا۔ یہ تھی خدائی لعنت جو بھرے دربار میں بیمار امام کی زبان سے نکلی۔ یزید غصہ سے بھڑ گیا اور قتل کا حکم دیا۔ پھوپیاں دوڑیں اور بیمار کربلا کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا او ظالم ہمارے وارثوں کو بھی قتل کر کے تیرا دل ٹھنڈا نہ ہوا کیا تو نسل رسول ؐ کو ختم کرنا چاہتا ہے اب میں تمہارے لئے بددعا کرتی ہوں۔ آپ کی نظر سر امام مظلوم پر پڑی دیکھا چشم مبارک سے آنسو جاری ہیں اور فرما رہے ہیں میری صابرہ قیدی بہن صبر کرو کس کی طاقت ہے جو نسل امامت کو قطع کر سکے۔ یزید یہ آواز سن کر بوکھلا گیا اور قتل کا حکم واپس لے لیا پھر نشہ حکومت میں مست ہو چھڑی لب و دندان امام مظلوم پر رکھی یہ بے ادبی دیکھ کر ابو برزہ اسلمی

صحابی رسولؐ جو دربار میں تھے کھڑے ہو گئے اور کہا اے یزید چھڑی ہٹا لے میں نے خدا کی قسم رسولؐ مقبول کو ان لبوں کے بوسے لیتا دیکھا ہے۔ خدا حسینؑ مظلوم کے قاتلوں پر لعنت کرے اور ان پر عذاب نازل کرے یزید نے ان کو نکلوا دیا۔ بعض کتابوں میں ایسی ہی روایت دوسرے صحابی سمرہ بن جنادہ سے مذکور ہے۔ حیرت ہے ان اصحاب پر کہ ایسے دربار میں کس دل و جگر سے شرکت گوارا کی جس میں رسولؐ کی نواسیاں رسن بستہ سر برہنہ کھڑی ہوں اور فرزند رسولؐ کا سر مبارک تخت کے نیچے رکھا ہوا ہو۔ خدا کی بے آواز لاٹھی کی صدا لعنت بن کر ان کے منہ سے نکلی اور اسی دربار میں یزید کے سر پر برسی۔ اسی دربار میں سلطنت روم کا ایک یہودی سفیر موجود تھا اس نے یزید سے دریافت کیا یہ کس کا سر ہے یزید نے کہا حسینؑ کا۔ پوچھا کون حسینؑ۔ کہا ابن علی۔ پوچھا والدہ کون تھیں کہا فاطمہ بنت رسولؐ وہ یہودی کھڑا ہو گیا اور کہا اے یزید تجھ پر خدا کی لعنت ہو اور تیرے مذہب پر۔ میں نسل داؤد سے ہوں ابھی تک یہودی میری خاک قدم اپنی آنکھوں سے لگاتے ہیں اور تو نے اپنے رسول کے فرزند کو قتل کر ڈالا۔ اس نے سر امام مظلوم اٹھایا بوسہ لیا اور کلمہ پڑھا۔ یزید نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ غریب تو مسلم قتل ہوا لیکن یزید کے اقتدار پر ایک ٹھوکر لگا گیا۔ ایک اور یہودی راس الجالوت اسی دربار میں تھا اس سے بھی یہ سب کچھ دیکھ کر نہ رہا گیا۔ اس نے بھی بھرے دربار میں یزید اور اس کے درباریوں پر لعنت کی اور بیمار کربلا کے پائے مبارک پر بوسہ دیا کلمہ پڑھا۔ یزید نے اس غریب کو بھی قتل کرا دیا۔ یہ تھا لعنت کا چوتھا طوق جو اس دربار میں ان نو مسلموں کے ہاتھوں قادر مطلق نے یزید کو سر دربار پہنوایا۔ یہ اس مظلومانہ

شہادت کی روحانیت کہ دربار میں لعنت' مسجد میں لعنت محل سرا میں لعنت' ہر طرف سے لعنت اور یزید چپ تاکتا رہا اور انقلاب کربلا آہستہ آہستہ انتقام کی طرف بڑھتا رہا۔

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۶۹ و لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا ط بل احیاۃ عند ربھم یرزقون○ ترجمہ: ہرگز گمان مت کرو کہ اللہ ستم گاروں کے اعمال سے غافل ہے۔

شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

مت سمجھ اے حکمران پرجفا ظلم سے ظالم کے غافل ہے خدا
لیتا ہے مظلوم کا ظالم سے جب وہ انتقام خنجر مختار سے دیتا ہے ظالم کو سزا

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ:

"اگر کوئی سیاہ غلام بھی ہم اہلبیت رسالت کے حق کے دفاع کے لئے کھڑا ہو جائے اور حق قرآن اور حق اہلبیت رسالت غاصبوں اور ظالموں کے پنجہ سے نکالنا چاہے تو ہر شخص پر ایسے شخص کی مدد کرنا واجب ہے۔"

امیر مختار کی جنگ اسلامی حکومت قائم کرنے خون شہداء کربلا کا انتقام لینے اور عوام کے حق میں تھی۔ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت نے حق کو پہچانا اور اپنے ایک دوست کو پہچانا اس کے آہنی ارادہ کا مشاہدہ کیا اور دشمن کے خلاف کھڑی ہو گئی۔ یہ صرف مختار تھا جس نے انقلابی تحریک کی لہر دوڑا دی اور عوام کے افکار میں وہ روح پھونک دی کہ وہ "حکومت وقت کے خلاف ظلم کا بدلہ لینے اور دشمنان اہلبیت کی سرکوبی اور قیام عدل کے لئے عوام کھڑی ہو گئی۔ جابر اور ظالم حکمرانوں نے مختار کی تصویر کشی عجیب

بھونڈے رنگ میں پیش کی جس کا ان سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔ ایسا صرف اس لئے کیا گیا کہ اگر شجاع اسلام اور اس کے ساتھیوں کی فداکاریاں منظر عام پر آ گئیں تو عوام میں جذبہ فداکاری اس حد تک بڑھ جائے گا کہ ان کی لباس اسلام میں ریاکارانہ حکومت کی چولیں ہل جائیں گی۔ لہٰذا ان کے کارناموں پر پردے ڈالے گئے۔ مختلف اور متضاد روایات گھڑی گئیں۔ خود غرض اور خود فراموش مورخوں نے حکومت وقت کی چاپلوسی اور خوشنودی میں غلط واقعات پیش کر کے عوام کو فریب دیا اور مختار کو رسوا کرنے کے لئے ائمہ کے حوالہ سے روایات لکھوائیں تاکہ لوگ اس مجاہد کے کارناموں سے متنفر ہو جائیں جیسے مختار کے بھیجے ہوئے ہدیئے حضرت امام علی ابن الحسین علیہ السلام نے قبول نہیں فرمائے اور نہ ہی ان لوگوں سے ملنا پسند فرمایا اور حضرت نے مختار کو دروغ گو اور ملعون فرمایا۔ معاذ اللہ۔

سربراہان اموی حکومت کے جاسوس واقعہ کربلا کے بعد مزید انقلاب کے خوف سے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے اور امام حسین علیہ السلام اور ان کے خاندان والوں کی سخت نگرانی ہو رہی تھی۔ دوسری طرف تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بھی خون شہداء کربلا جوش زن تھا۔ ان حالات میں ہو سکتا ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے یہ مناسب خیال فرمایا ہو کہ مختار کے کارناموں کو نہ سراہا جائے تاکہ مومنین انقلاب برپا نہ کریں اور نقصان عظیم اٹھائیں۔ وگرنہ تاریخ میں ایسی روایات بھی ملتی ہیں کہ مختار نے جب عبیداللہ ابن زیاد کا سر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا اس وقت آپ نے کھانا تناول فرمانے کی غرض سے لقمہ اٹھایا ہی تھا کہ سر نجس پہنچا آپ کو دربار ابن زیاد میں جانا یاد آ گیا جبکہ وہ مشغول غذا تھا۔ آپ نے لقمہ

رکھا اور مجلس کو غیروں سے خالی دیکھ کر فرمایا۔ "خداوندا تیرا ہزار شکر کہ تو نے ہمارا انتقام دشمنان اہلبیت سے لیا خدایا مختار کو جزائے خیر عطا فرما" اس کے بعد آپ نے کچھ میوہ مدینہ کے گھروں میں تقسیم فرمائے اور بنی ہاشم کو سوگ بڑھانے کا حکم دیا۔ اسی طرح اصحاب حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا آگے بڑھا اور چاہا کہ امام علیہ السلام کی دست بوسی کرے۔ آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اصل و نسب کے سوال پر اس شخص نے کہا کہ مولا میں مختار ثقفی کا فرزند ہوں۔ حضرت نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنی طرف کیا جیسے وہ اپنی آغوش میں بٹھانا چاہتے تھے۔ مختار کے فرزند نے کہا مولا لوگ میرے والد کے متعلق غلط روایات بیان کرتے ہیں۔ امام نے فرمایا کہ مختار کو دروغ گو کہنے والے خود دروغ گو ہیں۔ میرے پدر بزرگوار نے مجھ سے فرمایا کہ میری زوجہ کا مہر اس مال سے جو مختار نے بطور ہدیہ بھیجا تھا دیا گیا تھا۔ اسی مال سے بنی ہاشم کے مکانات کی مرمت ہوئی۔ اس نے ہمارے قاتلوں سے انتقام لیا دشمنان اہلبیت کو قتل کیا۔ خدا اس پر رحمت نازل فرمائے۔ (بحارالانوار)

یہ روایات جو امیر مختار کے حق میں ہیں کیا ان سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ مخالف روایات بیان کر کے مختار کی شخصیت سے عوام کو بے خبر اور غافل رکھا جائے اور بے حقیقت اور جھوٹی خبریں مشہور کی جائیں تاکہ آزادی کے چاہنے والے مجاہدوں کے کارناموں کو مٹایا جا سکے۔ لیکن مختار کے کارناموں پر لاکھ پردے ڈالے جائیں لیکن وہ روشن ہی رہیں گے کیونکہ انھوں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور تک شیعوں کے زخموں پر مرہم لگایا ہے مگر پھر بھی یہ زخم کہاں بھر سکتے ہیں اگرچہ امیر مختار کا یہ انتقام اہلبیت

اظہار اور ان کے شیعوں کے لئے خوشی کا باعث ضرور ہے لیکن کیا عاشورہ کے دردناک واقعہ کو بھلایا جا سکتا ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیا وہ دن جس دن ام فروہ کے لال قاسم بن حسن علیہ السلام نے حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت میں مسلمانوں کی آزادی کی خاطر جان کا نذرانہ پیش کیا اور اس طرح جام شہادت نوش کیا کہ لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے کہ امام عالی مقام کو ایک کپڑے میں جمع کر کے خیمہ میں لانا پڑا اور وہ بھاوج جو رات بھر اپنے لال کو میدان کارزار میں جانے کے لئے سجاتی رہی جس نے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے بازو پر بندھے تعویذ کو امام عالی مقام کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے کہا تھا۔ وہ ماں جانتی تھی کہ جو بھی میدان جنگ میں گیا وہ زندہ واپس نہیں آیا پھر بھی اس جگر کے ٹکڑے کو امام عالی مقام کی نصرت میں جنگ کے لئے بھیج رہی ہے۔ کیا اس دن اور اس وقت کو جب قاسم کی لاش خیمہ میں آئی تو بیبیوں میں ایک کہرام بپا تھا بھلایا جا سکتا ہے ہرگز نہیں کربلا کے سرخ خون کا جوش کم نہیں ہو سکتا یہ وہ جہاد ہے جس کا سورج غروب نہیں ہو سکتا یہ جنگ اس وقت تک دلوں سے نہیں بھلائی جا سکتی جب تک امام آخرالزمان علیہ السلام عجل اللہ فرجہ اس خون ناحق کا انتقام نہ لے لیں جس کی ابتدا امیر مختار نے کی اور جب تک عزاداری کا سیاہ پرچم انتقام کے سرخ پرچم سے نہ بدل جائے۔ ہم پکار پکار کر یہ کہتے رہیں گے شہدائے کربلا کے خون کا انتقام لینے والو کہاں ہو؟

تحریک انتقام

ہر انسان کی زندگی کا انحصار اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش پر ہے۔ جیسی اس کی تربیت ہو گی اور جیسی اس کی تعلیم ہو گی ویسا ہی وہ اپنی زندگی کے مدارج طے کرے گا۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایک بلند فکر آزاد اور رحمدل شخص ہمیشہ ایک مقدس آغوش اور عالی خاندان میں پرورش کا نتیجہ ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسا گوہر نایاب خس و خاشاک کے ڈھیر سے بھی مل جاتا ہے۔ وہ انقلاب عظیم جس کی بنیاد کربلا کے میدان میں رکھی گئی تھی جس کو جناب ثانی زہرا سلام اللہ علیہا نے بازاروں میں شہر شہر اپنے خطبات سے لوگوں میں روح انقلاب کو بیدار کیا جس کو امیر مختار کی فراست۔ آزمودہ کاری اور تجربہ کاری کی پختگی نے عملی جامہ پہنایا۔ امیر مختار کی اس آغوش شفقت میں تربیت اور اعلیٰ خاندان ثقیف میں پرورش کا نتیجہ تھی۔ قبیلہ بنی ثقیف طائف حجاز میں سکونت پذیر تھا۔ اس قبیلہ میں امیر مختار ان کے والد ابو عبیدہ بن مسعود اور ان کے چچا عروہ ابن مسعود جیسے بہادر اور نامور افراد پیدا ہوئے جن کی شجاعت و مردانگی کے نقوش آج بھی تاریخ میں

موجود ہیں۔

امیر مختار کے والد ابو عبیدہ بن مسعود ثقفی نے اسلام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا۔ طائف کی جنگ کے بعد جب ابو عبیدہ کو معلوم ہوا کہ دین اسلام ہی دنیا میں تمام ادیان سے بہتر ہے اور اسلام کی حقانیت پر اسلام دشمنوں نے پردے ڈال رکھے تھے۔ وہ جب بچے تو انہوں نے اسلامی لشکر کے سرداروں میں نام پیدا کیا اور اسلام کی راہ میں شہید ہوئے۔ جنگ ایران اور اسلام میں امیر مختار اپنے والد کے ہمراہ تھے لیکن کمسنی کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد امیر مختار اپنے چچا کی سرپرستی میں آگئے چچا کا سارا گھر دوستداران اہلبیت اطہار تھا۔ مختار کی جوانی اسی گھر میں گزری۔ محبت اہلبیت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس کی ایک مثال یہ ہے کہ جب حجر ابن عدی کے خلاف دوستی اہلبیت کے جرم میں ایک شکایت نامہ تیار کیا گیا جس پر معززین کوفہ کے دستخط کرائے گئے تو مختار نے اس پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور جب یہ خود کوفہ کی حکومت پر قابض ہوئے تو مختار نے اہلبیت اطہار سے یہ حکومت منظور و قبول فرمانے کی درخواست کی (الاغانی جلد ۲ ص ۷) جناب مسلم بن عقیل سے مختار کی بچپن سے ہی محبت و عقیدت تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہر مجاہد نے ابتدا میں اپنے انقلابی مقاصد کو پوشیدہ رکھا اور ایک عرصہ کے بعد مناسب موقع اور محل پر ظاہر کیا۔ مختار کے حالات اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی انقلابی خیالات ان کے دل و دماغ میں موجزن تھے۔ جب امام حسن علیہ السلام اور معاویہ میں نزاع و جنگ کی صورت پیش آئی اور ظاہری سلطنت معاویہ کے غاصبانہ

ہاتھوں میں آئی تو دنیا چاہنے والوں کی اکثریت نے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ امیر مختار نے معاویہ کی ایرانی اور رومی جیسی شہنشاہیت کو دیکھ کر اور یزید کی ولی عہدی کا اعلان سن کر غور کیا کہ یہ شان و شوکت اور یہ وراثت کے ذریعہ حکومت کی منتقلی اسلام کے احکام کے خلاف ہے جس کے خلاف ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسلام کے روشن احکام کو زندہ کرنے اور حق اہلبیت علیہم السلام واپس لینے کی کوشش کرے۔ یہ وہ افکار تھے جو مختار کے دل و دماغ پر ہر وقت چھائے رہتے تھے۔ مختار کو اس تحریک کو چلانے میں بڑی مشکلات پیش آئیں کیونکہ اموی جابر حکومت کے نمائندے آزادی پسند افراد اور دوستداران اہلبیت پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ اس لئے ان انقلابی افکار کو بروئے کار لانے کے لئے مناسب وقت اور موقع کے منتظر رہے۔ جب جناب مسلم علیہ السلام بحیثیت سفیر جناب امام حسین علیہ السلام کوفہ میں وارد ہوئے تو انہوں نے اپنے بچپن کے رفیق مختار کے گھر کو جائے امن قرار دیا۔ آپ کی تشریف آوری سے مختار بے انتہا خوش ہوئے۔ امام حسین علیہ السلام نے جو کام جناب مسلم کی سپرد کیا تھا اس سلسلہ میں انہوں نے مختار سے فرمایا کہ وہ کوفہ والوں کے خیالات کا جائزہ لیں اور امام عالی مقام کی بیعت لیں۔ جناب مسلم ہانی بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے حضرت مسلم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ابن زیاد نے جس کو حاکم کوفہ بنا کر بھیجا گیا تھا ہانی کو طلب کیا اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں ٹھہرایا ہوا ہے اور وہ امام حسینؑ کی بیعت لوگوں سے لے رہا ہے بہتر ہے کہ تم مسلم کو میرے حوالہ کر دو ورنہ تمہارا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ ہانی نے کہا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے کوفہ میں پانی پینے کی

مہلت نہ مل سکی۔ ابن زیاد نے ہانی کو قید کر دیا۔ مختار اتفاقاً کوفہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب ان کو یہ خبر ملی کہ جناب مسلم ابن زیاد سے لڑ رہے ہیں تو واپس کوفہ آئے۔ پاسبان کوفہ ابو قدامہ سے حضرت مسلم کی شہادت کا حال معلوم ہوا۔ دوسرے روز مختار کی ملاقات عمرو بن حریث نگہبان شہر سے ہوئی جس نے مختار کو ابن زیاد سے ملنے کا مشورہ دیا اور اس کی حفاظت کا وعدہ کر کے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ مختار بڑی لاپروائی اور بے اعتنائی سے اس کے سامنے جا بیٹھا۔ مختار کی تکبرانہ اور خود پرست حالت کو دیکھ کر وہ غصہ میں آ گیا اور مختار کے لئے نازیبا الفاظ کہے اور کہا کہ تو نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دی۔ مختار نے جواب دینا چاہا کہ عمرو بن حریث نے مختار کی طرفداری کی ہی تھی کہ ابو قدامہ کے شکست خوردہ ساتھی دربار میں داخل ہوئے اور مختار کی شکایت کی جس پر وہ سخت غصہ میں آ گیا اور مختار کو قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

چاہے ابن زیاد نے اہل کوفہ کو ذرا دھمکا کر اور مال و دولت کا لالچ دے کر اپنا ہم خیال بنا لیا تھا اور باوجود اس کے کہ ان کے دل حضرت مسلم کی طرف تھے لیکن قتل ہونے اور بچوں کی لاوارثی کے خوف سے انہوں نے حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ دیا تھا اور ان لوگوں نے یہ بہتر خیال کیا کہ ان سیاسی معاملات میں خاموشی ہی اختیار کی جائے اور گھروں اور مسجدوں میں ہی بیٹھ کر حضرت کی کامیابی کی دعا کرتے رہیں۔ کیا ان کا یہ عمل صحیح تھا؟ کیا اسلامی غزوات میں مسلمان اسلحہ اتار کر مساجد یا گھروں میں بیٹھ کر دعا مانگ کر فتح سے ہمکنار ہوئے تھے۔ مسلمان مجاہدین تو کفن سروں پر باندھ کر اور اسلحہ زیب تن کر کے میدان جنگ میں جان کی بازی لگا کر فتح سے ہمکنار

ہوئے ہیں۔ اٹھارہ ہزار کوفیوں نے امام حسین علیہ السلام کی بیعت کر کے توڑ ڈالی یہ کوئی نیا واقعہ نہیں تھا۔ ایسے ہی لوگ تھے جنہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر کے توڑ دی تھی۔ تمام کوفہ میں سے صرف دو ہستیاں ایک ہانی بن عروہ اور ایک عورت جس نے اپنے گھر میں حضرت مسلم کو پناہ دی تھی ایسے تھے جنہوں نے حضرت مسلم پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ جناب مسلم کو دارالامارہ سے نیچے پھینکا گیا اور آپ کی لاش کو کوفہ کے دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ کوفہ والوں کے خون میں ذرا سی بھی حرارت نہ آئی اور وہ صلح پسند بن بیٹھے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ انہوں نے اسلام کو صرف ظاہری نظر سے دیکھا تھا۔

امیر مختار کی قیدخانہ میں میثم تمار جیسے دیندار بزرگ سے ملاقات ہوئی جنہوں نے امام حسین علیہ السلام کے خون ناحق کے انتقام کے بارے میں مختار کو اپنی مفید رائے بتائیں تاریخ بتاتی ہے کہ جب عوام پریشان حال ہو اور اس کی آزادی سلب کر لی جائے تو وہ حکومت کی دشمنی پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ مختار ہمیشہ مظلوموں اور مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ اس لئے عوام کی ایک کثیر تعداد اس کی ہم خیال ہو گئی۔ قیدخانہ میں مختار کی ملاقات عمیر ابن عامر جو ایک ممتاز عالم تھے' سے بھی ہوئی جو دوستداران اہلبیت سے تھے۔ میثم تمار حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب خاص میں سے تھے یہی ایک وجہ تھی جو ان کو قید میں ڈال دیا گیا اور شہید کیا گیا جو حضرت کی پیشن گوئی کے مطابق واقع ہوئی۔ عمیر ابن عامر کا واقعہ یہ ہے کہ آپ درسگاہ میں مصروف درس تھے پیاس معلوم ہوئی پانی پینے کے بعد آپ نے امام حسین علیہ السلام پر درود بھیجا۔ طالب علموں میں سنان بن انس کا لڑکا بھی تھا اس نے اپنے

باپ سے درود بھیجنے کا حال جان کر بیان کیا یہی وجہ ان کے قید ہونے کی ہوئی۔ ایک عرصہ کے بعد عمیر بن عامر اپنے بھائی کی سفارش سے جو درباری افسر تھا رہا ہوئے۔ عمیر ابن عامر کو مختار کی جدائی بہت شاق تھی اس نے مختار سے کہا کہ اگر تیری کوئی حاجت ہے تو مجھ سے بیان کریں اس کو پورا کرنے کی کوشش کروں گا۔ مختار نے کہا کہ اگر ہو سکے تو دوات و قلم و کاغذ میرے پاس بھیج دینا مگر کسی کو خبر نہ ہو۔ معلم نے کہا کہ اگر خدا نے چاہا تو ضرور بھیجوں گا۔ معلم بڑا مالدار تھا۔ اس نے گھر پہنچتے ہی اپنی بیوی کو طلاق دی تاکہ وہ مختار کی حاجت پوری کرے اور عورت کو خبر نہ ہو۔ ایک بکری ذبح کی پکائی' روٹیاں میوے اور ہزار دینار کپڑے میں باندھے اور داروغہ جیل کے گھر آیا۔ وہ گھر پر نہ تھا ایک عورت باہر آئی۔ اس سے کہا کہ جب تیرا شوہر آئے تو اس سے کہنا کہ کثیر معلم آیا تھا اور اس نے جب وہ قید میں تھا یہ منت مانی تھی کہ جب قید سے رہا ہوں گا تو تیرے ساتھ کچھ سلوک کروں گا یہ تمام چیزیں اس عورت کی سپرد کیں۔ داروغہ جیل معلم کے گھر گیا اور کہا کہ یہ منت نہیں معلوم ہوتی تجھے کوئی حاجت درپیش ہے۔ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حق کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر تو مختار کے بارے میں کوئی حاجت رکھتا ہے تو میں ضرور پوری کروں گا۔ معلم نے کاغذ' قلم و دوات مختار کو پہنچانے کے لئے کہا۔ داروغہ نے کہا کہ انشاء اللہ اس کام کو سرانجام دوں گا تو کھانا تیار کر اور اس میں یہ چیزیں چھپا دے اور اس کھانے کو میرے پاس لے آنا میں دریافت کروں گا کہ اس میں کیا ہے تو تم کہنا کہ جب میں قید میں تھا تو مختار نے مجھ سے کھانے کی درخواست کی تھی کہ کہیں میں مر جاؤں اور میرے دل میں ان چیزوں کے کھانے کی آرزو رہ

جائے۔ اس لئے میں یہ کھانا لایا ہوں آدھا محافظ کھالیں اور آدھا اسے دے دیں۔ مختار ویسے ہی مردہ ہے۔ محافظین اس بات کو منظور کر لیں گے۔ داروغہ کی اس بات کو اس کا لے پالک لڑکا جو بظاہر سو رہا تھا سن رہا تھا۔ جب معلم یہ تمام چیزیں لے کر داروغہ کے پاس پہنچا تو وہ لے پالک لڑکا ابن زیاد کے پاس پہنچا اور اس کو ان باتوں سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد اسی وقت داروغہ کے گھر آیا وہ غصہ سے بھرا ہوا تھا۔ داروغہ سے کہا کہ نمک حرام تو نے مختار کے پاس دوات کاغذ اور قلم پہنچانے کی یہ تدبیر کی ہے تاکہ وہ اپنے بہنوئی عبداللہ بن عمر کو خط لکھے اور وہ پھر سے مختار کی رہائی کی سفارش کرے۔ داروغہ نے کہا کہ طعام حاضر ہے اور اس پر سے کسی نے دسترخوان بھی نہیں اٹھایا ملاحظہ کر لیجئے کہ اس میں کاغذ قلم اور دوات ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو میں قتل گردن زدنی ہوں۔ ابن زیاد نے کھانا اپنے سامنے منگایا اور ایک ایک چیز اوپر نیچے کرتا رہا اور داروغہ اور معلم بارگاہ ایزدی میں دل ہی دل میں دعائیں کر رہے تھے کہ ہم نے یہ کام تیری رضا اور اہلبیت کی خوشنودی کے لئے کیا ہے تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہر چند ڈھونڈنے کے باوجود اسے کاغذ قلم اور دوات نہ دکھائی دیئے۔ داروغہ نے کہا کہ آپ کی عمر دراز یہ میرا لڑکا نہیں ہے۔ حرامی ہے۔ میں نے سڑک سے اٹھا کر اس کو پالا پوسا جوان ہو گیا کل جو میں گھر آیا تو اس کو میری بیوی سے لپٹا ہوا پایا۔ میں نے اس کو بہت مارا اور گھر سے باہر نکال دیا اس لئے اس نے میرے اوپر یہ الزام لگایا ہے۔ ابن زیاد کو داروغہ کی بات کا یقین ہو گیا اور تلوار نکال کر ایک ہی وار میں اس کو واصل جہنم کیا اور حکم دیا کہ یہ کھانا قیدیوں اور مختار کو بھیج دیا جائے۔ معلم اور داروغہ زندان میں

آ کے کھانا دیا اور کاغذ، قلم اور دوات مختار کے حوالے کیے۔ مختار نے دو خط ایک اپنے بہنوئی کے نام اور دوسرا اپنی بہن صفیہ کے نام لکھے کہ یزید سے میری رہائی کے لئے تحریر کرے اور معلم سے کہا کہ میرے یہ خطوط مدینہ منورہ جا کر میری بہن اور بہنوئی کو پہنچا دیں۔ معلم مدینہ پہنچا اور دونوں کو خط پہنچا دیے۔ معلم نے صفیہ سے حضرت مسلم اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور مختار کی کل روداد بیان کی۔ صفیہ نے فوراً اپنے سر سے چادر پھینک دی اور شوہر عبداللہ بن عمر سے کہا کہ جب تک میرا بھائی مختار رہا نہ ہو گا میں گھر سے نہ نکلوں گی۔ چنانچہ عبداللہ نے یزید کو خط لکھا کہ ابن زیاد نے میری بیوی کے بھائی مختار کو بے گناہ قید کیا ہوا ہے اور وہ دن رات روتی ہے اور میری زندگی تلخ کر رکھی ہے تو ابن زیاد کو اس کو ایذارسانی سے روک اور اس کی رہائی کے خط لکھ اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو قسم ہے خدا اور رسول کی کہ تمام عرب کے قبائل برافروختہ کر کے حسین مظلوم کے خون کا تجھ سے مطالبہ کروں گا اس کو تو خوب جان لے۔ خط کو بند کیا اور معلم سے کہا کہ یہ خط یزید تک پہنچا دے۔ معلم دمشق پہنچا۔ بمشکل تمام ایک جال کی تدبیر سے محل شاہی کے اندر پہنچا اور جیسا کہ دلال نے بتایا تھا ایک غلام کو سیاہ قبا پہنے اور سیاہ عمامہ باندھے ہوئے یزید کے پیچھے آتا ہوا دیکھا۔ یزید جانتا تھا کہ یہ غلام علی اور اولاد علی کا محب ہے لیکن اسے کچھ تکلیف نہ دیتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یزید نے سر امام حسین علیہ السلام اس غلام کے کہنے پر کربلا بھیج دیا تھا تاکہ جسم اطہر کے ساتھ ملحق کیا جائے۔ یہ غلام دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو نان جویں سے افطار کرتا تھا۔ دن رات گریہ و زاری میں گزرتا اور یزید کے ہاں کھانا نہ کھاتا تھا کہ رند بن کر

پہنچا تھا اور اپنا گزارہ کرتا تھا۔ جب معلم کی نظر اس پر پڑی تو بتلی کی ہدایت کے مطابق معلم گوشہ میں بیٹھا تھا اٹھ کر اس کو سلام کیا۔ غلام نے کہا اے کثیر بن ہمدانی تو نے کیوں دیر لگائی میں تو اٹھارہ دن سے تیرا منتظر ہوں معلم کانپ گیا اور حیران ہوا اور دریافت کیا کہ تجھے حسین" مظلوم کی قسم دیتا ہوں۔ یہ بتا کہ میرا نام اور دمشق آنا کیسے معلوم ہوا۔ وہ حسین" مظلوم کا نام سنتے ہی رونے لگا اور کہا کہ امام مظلوم نے خواب میں آ کر مجھ سے تیرا نام بتا کر کہا کہ جب وہ خط لے کر تیرے پاس آئے تو اس کی حاجت کو پورا کرنا۔ جب سے میں تیرے انتظار میں تھا۔ روز امام مظلوم خواب میں تشریف لاتے اور فرماتے کہ تو نے دیکھا کہ میرے جد کی امت نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا اور یزید نے کیسے کیسے ظلم کر کے شہید کرایا۔ وہ غلام کہتا تھا کہ میں حضرت کی گردن مبارک سے خون ٹپکتا ہوا دیکھتا تھا۔

چنانچہ جب یزید اپنے حجرہ سے باہر آیا تو اس ترکی غلام نے اس کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور خط پیش کیا اور درخواست کی کہ خط لانے والے کی حاجت پوری کرے اور اس کا جواب لکھ دے۔ یزید نے خط کے جواب میں ابن زیاد کو لکھا کہ جس وقت یہ خط تیرے پاس پہنچے تو فی الفور مختار کو رہا کر دے ور حسن سلوک کے ساتھ اس کو عبداللہ بن عمر کے پاس بھیج دے۔ خط معلم کے حوالے کیا اور دو ہزار دینار اور خلعت سے اس کو نوازا۔ القصہ معلم خط لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچا اس کو دیا اس کو پڑھ کر معلم سے کہا تو نے وہی کام کیا جس کا ارادہ تھا۔ افسوس تو نے میرے مارے جانے کی کوشش کی۔ مختار کو رہا کر دیا گیا اور وہ مدینہ اپنی بہن اور بہنوئی کے پاس چلا گیا۔ قید و بند میں رہتے ہوئے وہ مواقع مختار کو حاصل ہوئے جن میں ایک

آزادی پسند مجاہد معقول فراست میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا اور اس سے بڑے سے بڑا فائدہ اٹھاتا ہے۔ مختار چاہتے تھے کہ قید سے آزاد ہو کر عوام کو خواب غفلت سے بیدار کریں اور حصول آزادی میں قربانیاں دینے میں بھی دریغ نہ کریں ابن زیاد نے مختار کو اس شرط پر رہا کیا کہ پھر حکومت کے خلاف کسی سیاسی کوشش میں حصہ نہ لے اور تین روز کے اندر کوفہ سے نکل جائے۔

مختار رہا ہو کر حجاز پہنچا اور مکہ پہنچ کر سنا کہ عبداللہ بن زبیر امام حسین علیہ السلام کا انتقام لینے کا دعویٰ کرتا ہے۔ مختار بہت خوش ہوا کہ ایک ساتھی ملا اس کے پاس جا کر اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ عبداللہ بن زبیر مختار کی شخصیت اور مقبولیت سے اچھی طرح واقف تھا فوراً راضی ہو گیا۔ یزید کی موت کے بعد عبداللہ نے اپنا رخ بدلا بجائے انتقام کے اب وہ سلطنت کی بات کرتا۔ مختار نے اس کا یہ رنگ دیکھ کر کوفہ کا رخ کیا کیونکہ مختار صرف عوام کی آزادی اور خون حسینؑ کے انتقام کا خواہاں تھا۔ وہ کوفہ میں اس وقت پہنچا جب کہ توابین کا گروہ خون حسینؑ کے انتقام کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ مختار نے اپنے گھر میں معززین کوفہ کی ایک مجلس طلب کی اپنے ارادوں سے انہیں آگاہ کیا۔ انہوں نے متفقہ مختار سے کہا کہ ابھی اپنے ارادوں کو عملی جامہ نہ پہنائے کیونکہ صرد خزاعی نے اہل کوفہ سے بیعت لے لی ہے۔ مختار اپنے مقصد کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔ شاہی انعامات کے وعدے جیسا کہ ہر حکومت لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے کرتی ہے۔ حقیقت میں فضول ہوتے ہیں کیونکہ قوم اچھی طرح جانتی ہے کہ کون دوست ہے اور کون دشمن ہے اور جب طاقت حاصل کر لیتی ہے تو انقلاب عظیم کا باعث

ہوتی ہے۔ توابین توبہ کرنے والوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے گزشتہ برے اعمال سے نادم ہو کر عہد کرے کہ آئندہ ایسے اعمال نہ کریں گے۔ توابین کے اس گروہ کا مقصد صرف یہ تھا کہ ظالم اور اس کے حامیوں کو زیادہ سے زیادہ قتل کیا جائے اور خون حسین ؑ کا بدلہ لیا جائے۔ اس جماعت کی بنیاد ۶۱ھ میں بعد شہادت امام حسین علیہ السلام پڑی تھی۔ ان لوگوں نے اپنے مقاصد کو ۶۴ھ تک پوشیدہ رکھا اور آلات حرب مہیا کرتے رہے۔ جب یزید واصل جہنم ۶۴ھ میں ہوا اس کے بعد انقلاب کا آغاز ہوا اور سلیمان صرد خزاعی کی سرکردگی میں بصرہ اور اطراف کوفہ سے مراسلت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سلیمان مختار کے ہمراہ قید تھا۔ آزاد ہونے پر مختار مکہ چلا گیا اور سلیمان نے کوفہ میں رہ کر اپنی کوشش جاری رکھی اور انتقام خون حسین ؑ کی طرف آمادہ کیا اور علانیہ کام شروع کیا کوفہ کی فضائیں یا ثارات الحسین کی آوازوں سے گونج اٹھیں۔ ثار کے معنی تحریک یا حرکت کے ہیں۔ یہ کہہ کر لوگوں کو بلایا جاتا تھا چنانچہ ۱۶ ہزار لوگ جمع ہو گئے۔ ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے امام علیہ السلام کی دعوت پر لبیک نہ کہی تھی۔

مختار خود کو حضرت محمد حنفیہ کا نمائندہ ظاہر کرتا تھا اہل کوفہ نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔ تنہا اپنے مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہا۔ اس نے سلیمان کا ساتھ اس لئے نہ دیا کہ دونوں کے نظریہ میں اختلاف تھا۔ مختار جابر حکومت کے خلاف کھڑا ہو کر مظلوموں کی دادرسی چاہتا تھا اور خون حسین ؑ کے انتقام کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا اور سلیمان صرف قاتلین شہدائے کربلا سے انتقام لینا چاہتا تھا چونکہ مختار خود کو محمد حنفیہ کا نمائندہ ظاہر کرتا تھا اس لئے بیشتر اہل کوفہ اس کے ہم خیال ہو گئے اور توابین کی

جماعت صرف چار ہزار رہ گئی۔ سلیمان اس قلیل لشکر کے ساتھ کربلا پہنچا اور شہدا کی قبروں پر جا کر انتقام لینے کی قسم کھائی۔ ابن زیاد کو جب اس کا علم ہوا تو اس گروہ کی سرکوبی کے لئے ایک بھاری لشکر بھیجا۔ جنگ ہوئی اور توابین کو محاصرہ میں لے لیا۔ بہت سے شہید کر دیئے گئے۔ سلیمان کو شہید کر دیا گیا۔ باقی ماندہ لوگ کوفہ چلے گئے۔ توابین کی کثیر جماعت مختار کے ساتھ ہو گئی۔ قاتلان حسین علیہ السلام جن میں عمر بن سعد اور شیث ابن ربعی تھے۔ عبداللہ بن یزید والئی ابن زبیر کے پاس چلے گئے اور اس کو مختار کے قید کرنے کا مشورہ دیا چنانچہ مختار کو قید کر دیا گیا۔ اس مرتبہ بھی عبداللہ بن عمر کی سفارش پر ابن زبیر نے مختار کو رہا کر دیا۔ کوفہ پہنچ کر اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں چونکہ مختار خود کو جناب محمد حنفیہ کا نمائندہ ظاہر کرتا تھا اس لئے کچھ مخصوص اور معتبر لوگ کوفہ سے مدینہ جناب محمد حنفیہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ مختار اپنے آپ کو آپ کا نمائندہ ظاہر کرتا ہے اگر آپ حکم دیں تو ہم اس کے شریک کار ہو جائیں۔ جناب محمد حنفیہ نے فرمایا خدا کی قسم میں اس کو دوست رکھتا ہوں۔ اس کو خدا توفیق دے کہ ہم دشمنان امام حسینؑ سے انتقام لے سکیں۔ اس کے بعد محمد حنفیہ ان لوگوں کو حضرت سجاد علیہ السلام کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حبشی غلام بھی ہم اہلبیت کے حق کے دفاع کے لئے آمادہ ہو اور حق قرآن اور اہلبیت کو ظالموں کے پنجے سے نکالے تو ہر شخص پر واجب ہے کہ اس کا ساتھ دے۔ حضرت سجاد علیہ السلام کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حق رسی کے لئے جنگ کرنا اسلامی فریضہ ہے۔ امیر مختار کی جنگ ان ہی مقاصد کے حصول کے لئے اسلامی فریضہ کی حیثیت سے تھی

جیسا کہ کربلا کی جنگ نے سبق دیا تھا۔ مختار نے اپنی تقریروں میں اپنی نمائندگی کی تصدیق کرتے ہوئے اہل کوفہ کو ساتھ دینے کی دعوت دی جس پر کوفی جوق در جوق مختار کے شریک کار ہوتے رہے اور انقلابی ارادوں اور مقاصد کو استحکام ملتا رہا۔

اس زمانہ میں کوفہ عبداللہ ابن یزید والی ابن زبیر کی حکمرانی میں تھا اور امیر مختار اسلحہ جمع کرنے اور طاقت حاصل کرنے میں مصروف عمل تھے ابن زبیر نے عبداللہ ابن یزید کو اس کی سادہ لوحی کی بنا پر معزول کر کے ابن مطیع کو کوفہ کا حاکم بنا کر مکہ سے کوفہ بھیجا جس نے آتے ہی مسجد کوفہ میں لوگوں کو جمع کر کے ایک زوردار تقریر کی اور کہا کہ میں سیرت عمرؓ اور سنت عثمان پر عمل کروں گا۔ مجمع میں ایک شخص نے بلند آواز میں کہا کہ اگر تو حکومت کرنا چاہتا ہے تو سنت علی علیہ السلام چلانا پڑے گی ابن مطیع لوگوں کا جوش و خروش دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور ان کا ہم نوا ہو گیا۔ مختار کو طلب کیا لیکن علالت کا عذر کر کے نہ گئے۔ مختار نے یہ حالت دیکھ کر مختلف مقامات پر خفیہ طور پر شرکت کے خطوط بھیجے سب سے اہم خط ابراہیم بن مالک اشتر کے نام تھا جو دوستداران اہلبیت علیہم السلام اور عرب کے معروف قبیلہ کا سردار تھا۔ مختار سترہ آدمیوں کو لے کر خود ابراہیم بن مالک اشتر کے پاس گئے اور جناب محمد حنفیہ کا خط جس میں ابراہیم بن مالک اشتر کو لکھا تھا کہ فوراً مختار کے شریک کار ہو جاؤ مختار نے پیش کیا۔ ابراہیم نے موافقت کرتے ہوئے مختار کی بیعت کر لی۔ اس مجاہد کے شریک ہونے سے مختار کی انقلابی مہم میں جان پڑ گئی اور آغاز کار کا اعلان ہو گیا اور دشمن کے خلاف بے درنگ اعلان جنگ کر دیا گیا۔ چنانچہ بروز پنج شنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ قرار دیا

گیا۔ شب چہار شنبہ ابراہیم معہ سو مسلح سواروں کے مختار کی طرف روانہ ہوئے۔ اس رات کوفہ کا محافظ ایاس ابن مضارب تھا جس نے ابراہیم کو روکا اور گرفتار کرنا چاہا ابراہیم نے اس کے ساتھیوں سے ایک نیزہ چھینا اور اس سے ایاس کو قتل کر دیا اور اس کا سر لے کر مختار کے پاس پہنچے اس واقعہ کے بعد مختار کے گھر کے محاصرہ کا خطرہ تھا لہٰذا طے پایا کہ اس رات مقابلہ شروع کر دیا جائے یا لثارات الحسین کی آوازوں سے تمام شہر کوفہ گونج اٹھا صبح ہونے تک تین ہزار آٹھ سو کا لشکر دیر ہند میں جمع ہو گیا جہاں مختار نے صبح کی نماز ادا کی۔ سیاہ پرچم لہرایا اور بلند آواز سے لشکر کو خطاب کیا "اے مجاہدین خدا سیدالشہداء امام حسین علیہ السلام کی مقدس روح تمہیں دیکھ رہی ہے۔ خون حسینؑ کا انتقام ان کے دشمنوں سے لے کر ان کی روح مقدس کو خوش کرو۔ حاکم کوفہ نے راشد ابن ایاس کی سرداری میں چار ہزار کا لشکر مقابلہ کو بھیجا۔ ابراہیم کے بہادر لشکر نے پہلے ہی حملے میں سردار لشکر کو قتل کر دیا۔ باقی لوگ بھاگ کھڑے ہوئے اس فتح نے مختار کے لشکر کے حوصلے بڑھا دیئے۔ اس کے بعد شیث ابن ربعی لشکر لے کر آیا حملہ آور ہوا مگر مختار کا لشکر ثابت قدم رہا ابراہیم فتح کا پرچم لہراتا ہوا پہنچا جس کو دیکھ کر شیث کے سپاہی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ فتح یاب مختار کوفہ میں داخل ہوا اور پورا شہر خوشی کے نعروں سے گونج اٹھا۔ ابراہیم نے دارالامارہ کا محاصرہ کر لیا۔ ابن مطیع لباس بدل کر قصر شاہی سے نکل بھاگا۔ مختار نے کل شہر کوفہ کو اپنے تسلط میں کر لیا اور تمام اہل کوفہ سے قرآن۔ سنت رسولؐ اور مطالبہ خون حسین علیہ السلام کی بنیاد پر بیعت لی گئی جو کچھ خزانہ میں تھا وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

دوسرے دن روسا عمائدین کوفہ کو طلب کر کے دربار منعقد کیا جب عمائدین اور سرداران کوفہ جمع ہو گئے سب نے اس شاندار فتح پر امیر مختار اور جناب ابراہیم کو مبارکباد دی اور نذرانے پیش کئے۔ امیر مختار نے ایک پرجوش تقریر کی بعد حمد و ثنائے رسولؐ خدا فرمایا کہ خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ جس نے مجھ جیسے گنہگار کو یہ شاندار فتح اور عنان حکومت عطا فرمائی۔ میرا مقصد نہ حکومت ہے نہ سرداری۔ میں نے جو کچھ کیا یا آئندہ کروں گا وہ رسول مقبول کے راج دلاروں کے خون ناحق کے انتقام کے لئے ہو گا جو میری زندگی کا مقصد ہے۔ میں قاتلان حسینؑ مظلوم کو چن چن کر اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ٹھکانے لگاؤں گا۔ میں آپ حضرات کا اور بالخصوص جناب ابراہیم ابن مالک اشتر کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں خداوند تعالیٰ کو درمیان میں دے کر وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کروں گا۔ حاضرین دربار میں سے ایک بزرگ شخص کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ مجھے وہ وقت یاد ہے کہ آپ کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں اور آپ اس تخت حکومت کے سامنے کھڑے تھے اور آج میں یہ دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ اسی تخت پر بطور ایک عادل کے جلوہ افروز ہیں۔ امیر مختار آنکھوں میں آنسو لئے ہوئے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مجھے بھی وہ وقت یاد ہے کہ اسی نجس تخت کے نیچے فرزند سید الانامؐ کا سر مبارک رکھا گیا تھا۔ مخدرات عصمت سر برہنہ رسن بستہ اسی تخت کے سامنے کھڑی تھیں۔ بیمار کربلا طوق و زنجیر میں گرفتار اسی تخت کے سامنے گردن جھکائے کھڑے تھے۔ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے وہ مجھے اور آپ سب کو وہ وقت بھی دکھائے گا جب ابن زیاد کا سر اس تخت کے نیچے رکھا ہو

گا۔ اس منحوس تخت کو پھونک دو' آگ لگا دو جس کو دیکھ کر کلیجہ شق ہوتا ہے کہ حسینؑ مظلوم کا سر مبارک اس تخت کے نیچے رکھا گیا۔ امیر مختار کو غش آ گیا جب افاقہ ہوا تو پھر فرمایا یہ وہی کوفہ ہے جس میں علی مرتضیٰ علیہ السلام کی حکومت تھی۔ حضرت زینب اور ام کلثوم شہزادیاں کہلاتی تھیں۔ ہائے افسوس اسی دادا کا پوتا اسی کوفہ میں پا بہ زنجیر اور شہزادیاں اسیر ہو کر تشہیر ہوئیں۔ اس کوفہ کی مستورات بالا خانوں پر ان اسیروں کا تماشہ دیکھنے کو بیٹھیں۔ خدا کی قسم میں کوفہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اور تماشہ دیکھنے والوں کی آنکھیں نکلوا دوں گا۔ پھر امیر مختار نے دارالخلافہ کی عمارات کا معائنہ کیا جب قلعہ میں آئے اور اس دروازہ سے گزرے جس پر حضرت مسلم کا سر مبارک لٹکایا گیا تھا بے چین ہو گئے۔ سر و سینہ پیٹ لیا اور اپنے مصاحبین میں سے ایک سے کہا کہ حضرت مسلم کی شہادت کا واقعہ بیان کرے۔ اس نے بیان کیا کہ جب ابن زیاد نے آپ کے قتل کا حکم دیا تو حضرت مسلم نے اس سے چند وصیتیں کرنے کی مہلت مانگی جو مل گئی۔ حضرت مسلم نے فرمایا کہ میری پہلی وصیت یہ ہے کہ میں سات سو درہم کا مقروض ہوں جو میری تلوار' زرہ اور گھوڑا بیچ کر ادا کئے جائیں۔ دوسری یہ ہے کہ میری لاش کو دفن کیا جائے اور تیسری یہ ہے کہ امام حسینؑ کو میری طرف سے لکھا جائے کہ وہ کوفہ آنے کا قصد نہ فرمائیں ابن زیاد نے کہا تمہاری دو وصیتیں تو پوری کی جا سکتی ہیں لیکن تیسری وصیت کی تعمیل نہیں کی جا سکتی۔ امام حسینؑ کو تمہاری طرح ہی قتل کیا جائے گا۔ یہ سن کر جناب مسلم زار زار رونے لگے اور فرمایا کہ کس طرح امام مظلوم کو روکوں۔ ابن زیاد نے قتل کا حکم دیا۔ بیکس مسلم کو تلواروں کے سایہ میں قلعہ کے اوپر لایا گیا۔

اس وقت کون تھا جو بیکس کی مدد کرتا وہی اٹھارہ ہزار کوفی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ مسلم قلعہ کی چھت پر پہنچے تو کعبہ کی طرف رخ کر کے امام حسینؑ کا تصور کر کے فرمانے لگے۔ آقا آپ کے لشکر کا خدا حافظ۔ قاسم و اکبر کا خدا حافظ۔ آپ کا غلام اب سفر آخرت کرتا ہے۔ تلوار چلی سر جدا ہوا لاش نیچے پھینک دی گئی اور سر اس دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ ایک مجلس بپا ہوئی سب لوگ سر و سینہ پیٹنے لگے۔

نسل ابن زیاد کا خاتمہ

انسان وہ ہے جس میں انس و محبت کا مادہ موجود ہو جس کے مزاج میں الفت و محبت نہیں وہ انسان نہیں' وہ درندہ ہے۔ درندہ بھی اپنی اولاد سے ساتھ محبت و الفت کا اظہار کرتا ہے۔ اسی فطری اصول کی بنا پر پروردگار عالم نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اگر حقیقتاً انسان بننا چاہتے ہو تو انسانیت کے ظاہر کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کی اولاد کے ساتھ محبت و مودت کرو تاکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد پورے طور پر ادا کر سکو۔ فطری تقاضہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد سے محبت ہوتی ہے لیکن جو محبت رسولؐ اکرم کو اپنے نواسہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے تھی اس کی مثال صفحہ ہستی پر نہیں ملتی۔ جب بھی حسین علیہ السلام دربار رسالت میں آگئے نانا ہمہ تن ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ حضرت وعظ فرما رہے ہیں اور حسین علیہ السلام مسجد نبوی میں آگئے حضور نے وعظ ترک کر دیا اور نواسہ کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اگر بحالت نماز حضور سجدہ میں ہیں اور نواسہ آ کر پشت پر سوار ہو گیا تو بحکم الٰہی سجدہ کو طول دے دیا اور جب تک حسینؑ نے چاہا پشت پر رہے جب خود اترے

تب سجدہ سے سر اٹھایا اس سے ظاہر ہوا کہ رضائے حسینؑ رضائے خدا اور رضائے خدا رضائے رسول۔

ایک طرف تو قرآن مجید اہلبیت کی محبت ہر مسلمان پر فرض کر رہا ہے۔ دوسری طرف رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل بتا رہا ہے کہ محبت اس طرح کی جاتی ہے لیکن و ر مسلمان آیہ مودت کے مفہوم کو اس طرح بدلا کہ خدا رسولؐ کے ذریعہ لوگوں سے یہ کہہ رہا ہے کہ تم اپنے قریبوں سے محبت کرو نہ کہ رسولؐ کے اقربا سے۔ راسی پر کربلا میں امت نے عمل کر کے یہ دکھلایا کہ اہلبیت رسولؐ کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا لیا اور ظلم و ستم کی انتہا کر دی۔ کربلا میں یہود و نصاریٰ نہ تھے' مشرک نہ تھے' بیگانے نہ تھے۔ مسلمان تھے' نمازی تھے' حافظ قرآن تھے' قاری تھے' گلوں میں قرآن حمائل کئے تھے' تلاوت کرتے تھے' نماز میں آل رسولؐ پر درود بھیجتے تھے۔ اسی نواسہ رسولؐ کو اچھی طرح پہچانتے تھے' بہرے نہ تھے' امام عالی مقام کا کلام سنتے تھے اور منہ پھیر لیتے تھے۔ ان سے تو بہتر ابوجہل اور ابو لہب تھے کیونکہ انہوں نے جو کچھ کیا کفر کی حالت میں کیا لیکن ان مسلمانوں نے جو کچھ کیا قرآن پر ایمان لا کر بجائے مودت و محبت کے عداوت کی اور انسان تو انسان آدمیت سے بھی گر گئے تھے اور دولت کی ہوا و ہوس اور حکومت کے نشہ کا خمار اتنا چھایا ہوا تھا کہ ہر ظلم کی انتہا کر دی اور قدرت نے بھی ڈھیل دے دی تھی کہ جاؤ گے کہاں اور جب رضائے قدرت میں انتقام کا وقت آیا تو ایک کمزور شخص کو جو ان کی ہی حکومت کا قیدی تھا اس کو حکومت عطا کر کے ان کی سرکوبی کے لئے مسلط کر دیا۔

کوفہ کو سیاست اسلامی کی نظر میں ایک اہم مقام حاصل تھا۔ امیر مختار

کو جب کوفہ پر مکمل قبضہ ہو گیا اور تمام اطراف اور عراق زیر تسلط آ گئے۔ مضافات پر بھی پورا اقتدار حاصل ہو گیا تو امیر مختار نے اپنے عامل مقرر کئے اور جناب ابراہیم ابن مالک اشتر کی سپرد سپہ سالاری کا عہدہ کیا۔ جب ابن زیاد کو یہ خبر معلوم ہوئی تو غصہ سے کانپنے لگا۔ حکومت تو کہنے میں ہی تھی ایک لشکر جس کی اسی ہزار تعداد تھی لے کر امیر مختار پر حملہ کرنے کی غرض سے کوفہ کی طرف روانہ ہوا۔ جب شہر موصل پہنچا تو عامل موصل عبدالرحمن بن سعد نے امیر مختار کو اطلاع دی۔ امیر مختار نے یزید ابن انس کو تین ہزار کے لشکر کے ساتھ موصل کی طرف روانہ کیا اور وہاں پہنچ کر ایک جمعیت کو شامل کر کے مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ صبح کو مقابلہ ہونا تھا کہ یزید بن انس سخت بخار میں مبتلا ہو گیا۔ اسی حالت میں میدان جنگ میں آیا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر لشکر کو ہدایات دیں۔ اشارہ پاتے ہی امیر مختار کی فوج نے شامی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔ سخت جنگ ہوئی اور شامی فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ بھاگ گئی۔ مجاہدین نے تین سو شامیوں کو گرفتار کر کے ابن انس کے روبرو پیش کیا۔ ان پر سکرات کا عالم تھا۔ اشارے سے ان ملعونوں کے قتل کا حکم دیا اور جاں بحق ہو گئے۔ فاتح فوج کوفہ واپس آئی۔ امیر مختار اس فتح پر سجدہ شکر بجا لائے۔ جناب ابراہیم کا خیال تھا کہ اول کوفہ میں موجود جو ملاحدہ ہیں ان کا خاتمہ کیا جائے لیکن امیر مختار نے اس کی مخالفت کی اور جناب ابراہیم کی زیر سپہ سالاری بیس ہزار کا لشکر ابن زیاد کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ ادھر کوفیوں نے میدان کو خالی دیکھ کر اور ابن زیاد کے کوفہ کی طرف آنے کی خبر سن کر قاتلان حسین علیہ السلام پھر حرکت میں آ گئے اور سعد کے بیٹے کے گھر جمع ہو گئے۔ عمر سعد نے کہا کہ ہمارے لئے یہ موقع اچھا ہے۔ جبکہ

ابراہیم لشکر لے کر جا چکے ہیں۔ مختار تنہا ہیں ہم سب متفق ہو کر ان پر حملہ کر دیں۔ ادھر سے ابن زیاد کوفہ کی طرف آ رہے ہیں پھر ہماری حکومت کوفہ پر قائم ہو جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ صبح کو مختار کو یہ پیغام بھیج دیں کہ ہم تم کو امیر نہیں مانتے اور تم کو معزول کرتے ہیں' تخت چھوڑ دو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

امیر مختار اس کی تہہ تک پہنچ گئے اور مصلحت سے کام لیتے ہوئے جواب دیا کہ آپ لوگ کوئی دستورالعمل بنا کر لائیں اس کے مطابق عمل کروں گا اور فوراً ایک قاصد جناب ابراہیم کی جانب روانہ کیا اور ان کو واپس بلا لیا۔ کوفہ پہنچتے ہی مخالفین پر سخت حملہ کیا بہت سے مخالفین کو قتل کیا اور دو سو کو گرفتار کیا اور پھر قتل کر دیا لیکن نامی گرامی افراد بھاگ نکلے۔ پھر جناب ابراہیم ابن زیاد کے مقابلہ کو روانہ ہوئے۔ شہر تکریت پہنچے۔ شہر کا دروازہ بند تھا۔ لشکر نے یا آل ثارات الحسین کا نعرہ بلند کیا۔ اہل شہر واہ حسینا کے نعرے لگاتے ہوئے دروازہ شہر کھول کر باہر آئے اور جناب ابراہیم سے بغلگیر ہو کر مبارکباد دی۔ سامان رسد اور پچاس ہزار اشرفیاں پیش کیں۔

دوسرے دن ابراہیم موصل پہنچے۔ یہاں ان کا شاندار استقبال ہوا۔ وہاں سے چل کر شہر نصیبین میں پہنچے۔ سردار قوم حنظلہ جو بڑے ذی اقتدار تھے کو جناب ابراہیم نے خط لکھا کہ ہم خون امام علیہ السلام کے انتقام کی غرض سے ابن زیاد کے مقابلہ کو جا رہے ہیں ہمارے لئے سامان رسد فراہم کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ جب قاصد یہ خط لے کر حنظلہ کے پاس پہنچا اسی وقت ابن زیاد کا قاصد بھی پہنچا۔ حنظلہ نے ابن زیاد کا خط پھاڑ دیا اور قاصد کو قتل کیا اور جناب ابراہیم کے قاصد کو خلعت اور سامان رسد دے کر

رکھا اور جب جناب ابراہیم روانہ ہونے لگے تو حنظلہ بھی ساتھ ہو لئے راستے میں ان کا ایک اور قلعہ تھا وہاں پہنچ کر قلعہ دار کو بلایا اور ابن زیاد کا پتہ معلوم کیا۔ اس نے کہا کہ اے امیر اگر آپ ایک گھنٹہ قبل تشریف لے آتے تو میں اس کو گرفتار کرا دیتا۔ وہ خود اپنے اہل و عیال کو اس قلعہ میں چھوڑ کر چلا گیا ہے اور آج وہ قریہ مدینہ میں قیام کرے گا۔ جناب ابراہیم نے فرمایا کہ اس کے اہل و عیال کو حاضر کرو۔ جن کو پیش کیا گیا۔ اس کے چار لڑکے ایک زوجہ' ایک سو بیس لونڈیاں اور چالیس خروار سونا اور چاندی لے آیا۔ جناب ابراہیم نے ان کو دیکھ کر یا آل ثارات الحسین" کا نعرہ بلند کیا۔ سب نے اس نعرہ کا جواب دیا۔ سب نے تلواریں کھینچ لیں۔ جناب ابراہیم نے اول اس مردود کے لڑکوں کو حاضر کرنے کے لئے کہا۔ سب سے بڑے لڑکے کی عمر انیس سال کی تھی۔ جناب ابراہیم اس کو دیکھ کر شہزادہ جناب علی اکبر کی جوانی کو یاد کر کے گریہ فرمانے لگے اور مجاہدین سے کہا اے اہلبیت کے دوستدارو اور اے امام مظلوم کے سوگوارو شہزادہ علی اکبر کی بھی عمر اتنی ہی ہو گی جب شہزادہ مظلوم جنگ کے لئے جانے لگے تو خیام کا پردہ بار بار اٹھتا تھا اور گرتا تھا۔ جناب علی اکبر خیمہ سے نکلنا چاہتے تھے تو بیبیاں اور بچے ان کو کھینچ کر اندر لے جاتے تھے۔ آخر خیمہ سے اس طرح باہر تشریف لائے جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔ گھوڑے پر سوار ہوئے۔ امام علیہ السلام نے آسمان کی طرف دیکھ کر درگاہ باری میں عرض کیا کہ اے پالنے والے تو گواہ رہنا کہ اس امت کے ظلم و ستم کا گواہ ہے۔ بار الہا اب میرا وہ لخت جگر جو صورت و سیرت میں تیرے حبیب کا مشابہہ ہے میدان جنگ کی طرف جا رہا ہے۔ جب دل چاہتا تھا تو اس کو دیکھ کر نانا کی زیارت کر لیتا

تھا۔ قربان صبر مظلوم کربلا کے فرزند کے پیچھے پیچھے چلے۔ جس طرح حاجی میدان منا میں قربانی کے جانور کو لے جاتے ہیں اور فرماتے ہیں بیٹا ذرا آہستہ چلو۔ بیٹا تم جوان ہو میں ضعیف' تم سوار ہو میں پیدل۔ جناب علی اکبر امام علیہ السلام کا یہ کلام سن کر گھوڑے سے نیچے آئے اور قدموں پر گر کر فرمایا مولا آپ خیمہ میں تشریف لے جا کر پھوپھی اماں کو دلاسہ دیجئے۔ امام مظلوم خاک کربلا پر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے اے ابن زیاد خدا تیرے رحم کو بھی اسی طرح قطع کرے۔ جس طرح تو نے میرے رحم کو قطع کیا ہے۔

جناب ابراہیم خوب روئے اور مجاہدین نے بھی خوب گریہ کیا۔ پھر مجاہدین سے کہا کہ اس شقی کے رحم کو بھی قطع کرو۔ بس کیا تھا مجاہدین نے اپنی تلواروں اور نیزوں سے تیغوں کے ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد ابن زیاد کا سب سے چھوٹا بچہ پیش کیا گیا جناب ابراہیم نے اس کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے مجاہدین سے خطاب کیا کہ دلیرو شہزادہ علی اصغر بھی تو اتنی ہی عمر کے تھے جب امام مظلوم اس پھول کو لے کر میدان میں لائے تھے اور قوم جفاکار سے فرمایا تھا کہ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں اور یہ بچہ ساقی کوثر کا پوتا ہے اگر تمہارے نزدیک میں مجرم ہوں تو اس بے زبان کی کیا خطا ہے اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے اور یہ شیر خوار پیاس سے نڈھال ہے اس کو چند قطرے پانی کے پلا دو۔ اگر تمہیں یہ شک ہے کہ میں اپنے لئے پانی مانگ رہا ہوں تو میں اس بچہ کو گرم ریت پر لٹائے دیتا ہوں تم خود اس کو پانی پلا دو۔ امام مظلوم کے اس سوال پر فوج اشقیا کی طرف سے یہ جواب آیا کہ کمان کڑکی اور معصوم بچہ باپ کے زخمی ہاتھوں پر تڑپ کر نڈھال ہو گیا۔ تمام مجاہدین یہ سن کر گریہ و زاری کرنے لگے اور چاروں طرف سے

مجاہدین کی کمانیں کڑکنے لگیں۔ یہ دیکھ کر ابن زیاد کی بیوی آگے بڑھی اور جناب ابراہیم سے کہنے لگی اے امیر تین بچوں کے قتل سے میرا کلیجہ چھلنی ہو گیا ہے۔ خدا کے واسطے اس بے شیر پر رحم کر۔ جناب ابراہیم نے غصہ سے کہا اے شقیہ دنیا میں جو رحم کرتا ہے اس پر ہی رحم کیا جاتا ہے۔ شہزادہ علی اصغر بھی شیر خوار تھے۔ کیا میدان کربلا میں ان پر کسی نے رحم کیا۔ ترس کھایا۔ میرے دل میں قاتلان حسین مظلوم کے لئے نہ رحم ہے نہ ترس۔ خدا کی قسم صفحہ ہستی پر ان کا نام و نشان باقی نہ چھوڑوں گا۔ اے خبیثہ اپنے چھلنی کلیجہ کو تو تو یاد کرتی ہے ذرا شہزادی کونین کے چھلنی کلیجہ کا تو خیال کر۔ جناب ابراہیم کے ایک اشارہ پر اس بچہ کو تیروں کا نشانہ بنایا گیا۔ پھر جناب ابراہیم اس شقیہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ لرزنے لگی اور بولی اے امیر میں تو بے قصور ہوں۔ میں نے تو اہلبیت پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ میری جان بخشی فرما۔ جناب ابراہیم نے فرمایا او شقیہ کیا تو نے اسیران اہلبیت کا تماشہ نہیں دیکھا کیا تو نے اپنے بچوں پر سے صدقہ کا میوہ اتار کر امام حسینؑ کے بچوں پر نہیں پھینکا۔ اس نے سر جھکا لیا اور جناب ابراہیم نے اس کی دونوں آنکھیں نکال کر پھینک دیں اور شتر بے کجاوہ پر بٹھا کر تمام شہر موصل میں اس کو پھرایا۔ مجاہدین کے تیروں کی بارش اور تماشائیوں کے پتھروں کی بارش سے وہ بھی فی النار ہو گئی اور اس طرح ابن زیاد کی نسل منقطع ہوئی۔

ابن زیاد اور حصین بن نمیر کی ہلاکت

پروردگار عالم نے ظالم کے لئے دنیا میں بھی برا انجام اور آخرت میں بھی عذاب الیم مقرر فرمایا ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ جس قدر ظلم کی نوعیت اور مظلوم کی شخصیت بلند ہو گی اسی قدر عذاب الٰہی میں بھی زیادتی ہو گی۔ یہ ضرور ہے کہ وہ قادر مطلق انتقام لینے میں جلدی نہیں کرتا۔ جلدی تو وہ کرے کہ جس کو یہ خیال ہو کہ مجرم میرے قابو سے نکل جائے گا۔ اس کی سلطنت غیر محدود ہے کہاں بھاگ کر جائے گا اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ دیکھتا رہتا ہے ظالم کے ظلم کو اور نیک بندوں کی نیکی کو اپنی میزان عدالت پر پوری طرح تولتا ہے اور ظالموں کو ڈھیل اور مظلوموں کو صبر جمیل عطا فرماتا رہتا ہے اور جب ادھر سے ظلم کا خاتمہ اور ادھر سے صبر کی انتہا ہو جاتی ہے تو پھر اس کی بے آواز لاٹھی بلند ہوتی ہے اور کچھ اس طرح بے پناہ بلند ہوتی ہے کہ بڑے سے بڑے ظالموں کو دم کے دم میں فنا کر دیتی ہے۔

یوں تو اللہ کے نیک بندے ہمیشہ دنیا والوں کے ہاتھوں مصیبتوں میں مبتلا ہوئے لیکن جو مصائب میدان کربلا میں نواسہ رسولؐ پر رسولؐ خدا کا

کلمہ پڑھنے والوں نے ڈھائے اس کی مثال تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ اکبر ظلم جیسا ظلم اور ستم جیسا ستم نماز میں آل رسولؐ پر درود بھیجنے والوں نے توڑا کہ انسانیت انگشت بدنداں ہے۔ دنیا میں گھر بھی اجڑے آگ بھی لگائی گئی قتل و غارت گری بھی ہوئی لیکن رسولؐ کا گھر ایسا اجاڑا گیا ایسی آگ لگائی گئی باغ رسالت ایسا برباد کیا گیا؟ خاتون جنت کی لہلاتی کھیتی صرف دو پہر میں ایسی اجاڑی گئی۔ یہ سب کچھ ہوا قدرت دیکھتی رہی۔ بچوں کو شہید کیا گیا کمسن بچی کے گوشوارے چھینے گئے۔ طمانچے مارے گئے۔ مخدرات عصمت کی چادریں چھینی گئیں۔ رسن بستہ کی گئیں۔ خدا دیکھتا رہا اس کا دست انتقام بلند نہ ہوا۔ ہاں جب وقت آیا اور اس کی مشیت نے چاہا تو رہائی کی گڑکی تو امیر مختار اور ابراہیم بن مالک اشتر بن کر تڑپی اور اسی کوفہ میں جہاں سے نواسہ رسولؐ کے قتل کرنے کے احکام جاری ہوئے تھے ایک مجبور قیدی اور اسیر کے ہاتھوں ان ظالموں اور شیطانوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا جس پر ذرا سا بھی نواسہ رسولؐ کی شہادت میں شرکت کا جرم پایا گیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ابن زیاد کو جب اپنے اہل و عیال کے قتل ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ سانپ کی طرح بل کھانے لگا۔ اسی ہزار کی جمیعت لے کر شہر موصل سے چند ہی میل فاصلہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں جناب ابراہیم بن مالک اشتر جو نہر خازر کے کنارے اپنی جمیعت کے ساتھ ابن زیاد کو قتل کرنے کی غرض سے موجود تھے۔ ابن زیاد جناب ابراہیم کو اپنے جال میں پھانسنے کی تدبیریں سوچنے لگا ان کو ایک خط لکھا کہ مجھے معلوم ہو کر بڑی خوشی ہوئی ہے کہ تم عراقی لومڑیوں کا ایک لشکر لے کر ہم شامی شیروں سے جنگ کرنے آئے ہو جس کو ہم وہیں کر رکھ دیں گے۔ میں تمہاری بہادری اور شرافت کا اعتراف کرتا ہوں جس

پر تم اپنی شکست کا داغ نہ لگاؤ اور ہماری طرف آ جاؤ اور موصل کی حکومت تمہیں دلا دوں گا اور احترام کروں گا۔

جناب ابراہیم نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ اے شقی تو نے مجھے بہکانے کی اچھی تدبیر کی تو اچھی طرح جانتا ہے کہ مجھے حضرت علی مرتضیٰ کی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ میرا دل نور ایمان سے منور ہے۔ میں تجھ جیسے شیطان کے بہکانے اور لالچ دینے میں نہیں آ سکتا۔ مجھے اگر تیرے نجس خون کے ایک قطرہ کے بدلے میں تمام دنیا کی حکومت بھی ملے تو میں نہ لوں۔ میرا مقصد تیرا اور تجھ جیسے شیطانوں کا خون بہا کر خون ناحق سید الشہدا کا انتقام لینا ہے۔ او شیطان کیا تو نے مجھے عمر سعد سمجھا ہے کہ میں حکومت کے لالچ میں آ کر اپنی آخرت کو تباہ کر لوں۔ تجھ پر اور تیری فوج پر لعنت و پھٹکار۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تلواروں کے سایہ میں زندگی گذاری ہے۔ حضرت علی علیہ السلام سے فن سپاہ گری سیکھے ہیں۔ فتح و شکست کا مدار کثرت اور قلت پر نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا انتقام لینا ہے اس لئے خداوند تعالیٰ ہمیں فتح نصیب کرے گا۔

اس جواب کو پڑھ کر ابن زیاد پیچ و تاب کھا ہو گیا۔ مقابلہ کے لئے لشکر کو آراستہ کیا۔ حصین بن نمیر کو ضروری ہدایت دے کر اور سپہ سالاری دے کر جنگ کے لئے بھیجا اور خود جنگ دیکھنے کی غرض سے ایک بلند مقام پر جا بیٹھا۔ ادھر جناب ابراہیم نے اپنے لشکر کی صف بندی کی اور ایک بلند مقام پر جا کر اپنی فوج کو مخاطب کیا اور بعد حمد و ثنا فرمایا اے اہلبیت اطہار کے جان نثارو شیر خدا کے غلامو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ تمہارے مقابل لشکر میں قاتلان امام مظلوم کی کثرت ہے۔ حصین ابن نمیر سپہ سالار اور ابن زیاد

سردار جنہوں نے بلغ امامت کو اجاڑا اگرچہ ہم تعداد میں کم ہیں لیکن ہم میں ایمان کی طاقت اور اللہ کی ذات پر بھروسہ ہے جس کے پیاروں کا ان ظالموں نے خون بہایا۔ ہم اس کا بدلہ لینے آئے ہیں۔ انشاء اللہ وہی ہم کو فتح عطا فرمائے گا۔ مخالفین کی کثرت کا خیال دل میں نہ لاؤ خدائی طاقتیں' غیبی قوتیں اور اہلبیت کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ بہادرو' شیرو ایک دل ہو کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑو اور دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتار دو۔ جناب ابراہیم نے یا آل ثارات الحسین" کا فلک شگاف نعرہ بلند کیا۔ میدان کارزار گونج اٹھا۔ غضب کا رن پڑا۔ ابن زیاد کی فوج کے دو نامی گرامی شامی پہلے ہی حملہ میں کھیت رہے جب اس نے یہ دیکھا تو جناب ابراہیم کی فوج پر ایک دم ہلہ بول دیا۔ جناب ابراہیم کی فوج نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی۔ مغرب کے وقت تک یہ سلسلہ رہا۔

رات ہو گئی فریقین اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے اور مقتولین کا جائزہ لیا۔ مخالفین کے دس ہزار اور مجاہدین کے صرف چالیس نفر کام آئے۔ دوسرے دن پھر مقابلہ ہوا۔ لشکر شام سے مسلب ابن حباب نامی نوجوان میدان جنگ میں آیا۔ جناب ابراہیم مقابلہ کو آگے بڑھے اس کو پہچان کر آپ نے فرمایا مسلب یہ کیا تم ابن زیاد کی فوج میں میرے تمہارے درمیان کیا اقرار ہوا تھا کہ تم انتقام خون امام اعلم میں میرے ساتھ ہو گے۔ یہ بدعہدی کیسی۔ کل خدا کو کیا جواب دو گے۔ دنیا چند روزہ ہے۔ اس کے لئے اپنی آخرت خراب نہ کرو۔ ابراہیم کے کلام کا اتنا اثر ہوا کہ گردن جھکا کر سوچتا رہا۔

آخر گھوڑے سے کودا اور جناب ابراہیم کے قدموں پر سر رکھ کر کہا۔ ابراہیم میں غلطی پر تھا دولت کی چاہ نے اندھا کر دیا تھا۔ میں تمہارا شکر گزار

ہوں کہ تم نے مجھے خواب غفلت سے بیدار کیا۔ ابراہیم کیا اہلبیت اطہار میری خطا معاف فرمائیں گے۔ ابراہیم نے کہا کہ جب حر کی خطا معاف ہو سکتی ہے تو تمہاری معمولی فروگذاشت کیا معاف نہ ہو گی۔ آؤ گلے لگو۔ مہلب نے اپنے لشکر کو جو وہ ساتھ لایا تھا ابراہیم کے لشکر میں بھیج دیا اور خود شاہی فوج سے لڑنے کو کھڑے ہو گئے اور شاہی فوج کو للکارا اور کہا کہ میں تمہارے ساتھ تھا" غلطی پر تھا۔ دوزخ میں جاتا۔ مجھے فرشتہ رحمت نے نار سے نکال کر نور میں لے لیا۔ اب میں حر دلاور کی طرح ہوں۔ جس کو اپنے سردار یزید کے پاس جانا ہے۔ وہ میرے مقابل آئے۔

ابن زیاد کو مہلب کے مع اپنی جمعیت کے نکل جانے کا دھچکا لگا۔ غصہ سے بل کھانے لگا۔ ہشام بن خزیمہ کو مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اس مجاہد پر اس نے حملہ کیا لیکن مہلب نے پہلو بچا کر ایک بھرپور وار کیا اور ہشام کو جہنم کی طرف روانہ کیا۔ ابراہیم نے مہلب کو داد شجاعت دی۔ وہ پھر فوج شام پر ٹوٹ پڑے اور بہت سے شامیوں کو واصل جہنم کیا۔ آخر کار ملاعنہ نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور یہ بہادر جام شہادت پی کر داخل جنت ہوا۔ اس کے بعد مجاہدین کے لشکر سے نافع بن عدی نے میدان میں داد شجاعت لی۔ مغرب کا وقت ہو گیا جنگ ملتوی ہوئی۔ دوسرے دن خود جناب ابراہیم نافع بن عدی کا لباس پہن کر میدان جنگ میں آ گئے شامیوں کی طرف سے مرہ بن حارث مقابلہ کے لئے آیا۔ نام پوچھا ابراہیم نے فرمایا میرا نام تیری موت ہے۔ مرہ آواز سے پہچان گیا کہ یہ تو ابراہیم ہے۔ بھاگا لیکن ابراہیم نے دو قدم پر جا لیا اور واصل جہنم کیا۔ پھر عبدالرحمن بن مالک گرز لے کر مقابل آیا۔ اس نے بھرپور وار کیا لیکن ابراہیم نے پہلو بچا کر گرز چھین کر اس زور سے اس

کے سر پر مارا کہ وہ مع اپنے گھوڑے کے چکنا چور ہو گیا۔ ایسی جرات دیکھ کر ابن زیاد کو یقین ہو گیا کہ یہ تو ابراہیم ہے۔ اس نے پھر چال چلی اور فوج سے کہا کہ ابراہیم کو گھیرے میں لے لو۔ فوج نے گھیرا ڈال دیا اور حملے شروع کر دیئے۔ ابراہیم نے مقابلہ کیا۔ شاہی فوج کے چھکے چھڑا دیئے۔

حیدری طریقہ جنگ اختیار کیا' اپنی فوج کو بھی لڑا رہے تھے اور خود بھی لڑ رہے تھے۔ آخر شام ہو گئی۔ ابراہیم ملعونوں کا کام تمام کر کے اپنی جگہ واپس آ گئے۔ صبح ہوئی ابن زیاد نے پھر ایک اور چال چلی اور ابراہیم کو لکھا کہ گرمی زیادہ ہے روزانہ جنگ کے بجائے ہفتہ میں صرف دو بار جنگ ہوا کرے۔ ابراہیم سمجھ گئے کہ یہ مزید کمک کے انتظار میں وقت گذارنا چاہتا ہے۔ صاف انکار کر دیا اور صف آرا ہو کر ایکدم حملہ آور ہوئے۔ کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ شاہی لشکر بھاگتا نظر آتا تھا۔ ابراہیم کو اپنے شکار کی فکر تھی۔ مجاہدین نے پوری قوت کے ساتھ حملہ کیا اور شاہی فوج میں دھنس گئے۔ شاہی فوج بھاگ پڑی۔ مجاہدین نے پیچھا کیا لیکن اندھیرا ہو گیا تھا اس لئے اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ دوسرے دن جب صف آرائی ہوئی تو سپہ سالار شاہی فوج ابن نمیر میدان میں آیا بڑے غرور کے ساتھ گھوڑا دوڑاتا ہوا چلا لیکن موت تو اس کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ دم کے دم گھوڑے نے ٹھوکر کھائی سنبھل نہ سکا اوندھا گرا۔ مجاہدین نے گرفتار کر لیا اور زنجیروں میں جکڑ کر ابراہیم کے سامنے پیش کیا۔

حصین بن نمیر کی گرفتاری کو دیکھ کر ابن زیاد کے چھکے چھوٹ گئے۔ ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے۔ اب خود ہی میدان میں قدم رکھنا چاہتا تھا کہ سیاہ علم دکھائی دیئے۔ دس ہزار کی کمک حکومت کی طرف سے آ پہنچی۔ ملعون

کی جان میں جان آئی۔ پوری طاقت کے ساتھ مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ بہت سخت تھا جس سے مجاہدین کے لشکر کے قدم میں لغزش ہونے لگی۔ ابراہیم کی ہمت و شجاعت نے اپنے لشکر کو سنبھالے رکھا اور پے در پے حملے کئے۔ اسی اثنا میں آسمانی امداد اس شکل میں پہنچی کہ سیاہ بادل آیا۔ بارش ہونے لگی اولے پڑنے لگے جو صرف شاہی فوج پر تھے۔ جنہوں نے شاہی فوج کو بری طرح زخمی کر دیا۔ سر پھٹ گئے۔ گھوڑے مر گئے۔ بھگدڑ مچ گئی۔ ابن زیاد کے حواس چھٹ گئے۔ ابراہیم نے بھگوڑوں کا پیچھا نہ کیا۔ اور اپنی قیام گاہ کی طرف آئے اور سجدۂ شکر بجا لائے۔

اسکے بعد مجاہدین سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا بہادرو تم نے دیکھا کہ اللہ تعالی نے خون حسین مظلوم کے انتقام لینے والوں کی کس طرح مدد فرمائی۔ یہ اولے نہ تھے بلکہ اس کی مدد تھی۔ مجھے سب سے زیادہ فکر اس کی ہے کہ کہیں ابن زیاد بچ کر نہ نکل گیا ہو۔ مجاہدو کل خدا کی کارفرمائی کو دیکھنا اور بالکل نہ گھبرانا اور بھرپور حملے کرنا۔ صبح کو صف بندی ہوئی۔ سخت مقابلہ ہوا۔ ابراہیم نے آسمان کی طرف سر بلند کر کے دعا کی کہ پروردگار مجھ گنہگار عاجز بندہ کی لاج تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ ابھی دعا ختم نہ ہوئی تھی کہ سفید علم نظر آیا۔ معلوم ہوا کہ انہیں کے صاحبزادہ عبدالرحمن دس ہزار کی فوج امیر مختار کی جانب سے لے کر آ گئے۔ سجدۂ شکر ادا کیا۔ بیٹے کو گلے لگایا اور دشمنوں پر شیرانہ حملہ کیا۔ سروں کی بارش ہونے لگی۔ خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ شاہی لشکر بھاگ پڑا۔ ابن زیاد بھی ایک سپاہی کا لباس پہن کر بھاگا۔ مجاہدوں نے تعاقب کیا اندھیرا کافی ہو چکا تھا۔ لیکن پیچھا نہ چھوڑا اور خوب حملے کئے۔ شامیوں کے کشتوں کے پشتے لگا دیئے پھر اپنی جگہ پر مجاہدین واپس

ہوئے۔ ابراہیم نے افسوس سے کہا کہ کہیں ابن زیاد نکل گیا ہے۔ ابھی یہ کہا تھا کہ ایک مجاہد نے عرض کیا کہ اے امیر فلاں مقام پر ایک لاش پڑی ہے۔

ابراہیم نے کہا کہ اس طرف تو میں ہی گیا تھا جاؤ وہ لاش لے آؤ۔ لاش آئی روشنی میں دیکھا تو اسی شقی ابن زیاد کی لاش تھی۔ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ سجدۂ شکر ادا کیا کہ پروردگار تو نے میرے ہی ہاتھوں سے ظالم کو قتل کرا کر مجھے سرخرو فرمایا۔ ملعون سکرات کے عالم میں تھا۔ ابراہیم نے اس کے سر پر ٹھوکر لگائی اور کہا کہ او بدذات جس دنیا کے لئے تو نے جگر گوشہ رسولؐ دلبند علی و بتول کو بھوکا و پیاسا رکھ کر شہید کرایا اور تجھے دنیا بھی حاصل نہ ہوئی۔ دیکھ وہی دنیا تیرے اوپر تھوک رہی ہے۔ اے باغ رسالت کے اجاڑنے والے اور فتح کے شادیانے بجانے والے شقی دیکھ تیری زبان کتے کی طرح منہ سے باہر نکل آئی ہے۔ اسی زبان سے تو نے نواسہ رسولؐ کے سر کو دیکھ کر کہا تھا کہ آج میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہیں۔ جس پر شہزادی کونین جناب زینب نے فرمایا تھا کہ خدا تیری آنکھوں کو پھوڑے۔ دیکھ آج میں تیری آنکھوں کو پھوڑ کر وہی شہزادی کے حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ ابراہیم نے تلوار کی نوک سے اس کی آنکھیں نکال کر مسل دیں۔ سر قلم کیا اور لاش کو جلا دیا۔ اس کے بعد حصین بن نمیر کو پیش کیا گیا۔ ابراہیم نے کہا کہ یہ وہی ظالم ہے جس نے امام تشنہ کام کے دہن اقدس پر تیر مارا تھا۔ اس نے گردن جھکا لی اور پانی طلب کیا۔ رحم کی درخواست کی۔ ابراہیم نے کہا رحم اس پر کیا جاتا ہے جو رحم کرتا ہے۔ کیا تجھے بھی فرزند رسولؐ پر رحم آیا تھا کیا تجھے اس شش ماہے پر بھی رحم آیا جو تیر کھا کر پیاسا امام مظلوم کے ہاتھوں پر تڑپ کر دنیا سے سدھارا گیا۔ نازوں کی پلی سکینہ جب خیمہ میں

پیاس سے تڑپ رہی تھی تجھے رحم آیا۔ کیا امام مظلوم کے اٹھارہ سالہ فرزند نے جو صورت و سیرت میں رسولؐ خدا کے مشابہ تھے جب امام مظلوم کے پاس آکر پانی مانگا تھا تجھے رحم آیا تھا۔ ابراہیم نے اس ظالم کو کھڑا کرایا اور پہلا تیر اس کے منہ پر ایسا مارا کہ گردن کے پار ہو گیا۔ پھر مجاہدوں نے تیروں کی بارش کر دی اور اس شقی کو واصل جہنم کیا۔

شکرانہ ادا کیا۔ دوسرے دن ابن زیاد اور حصین بن نمیر وغیرہ کے سر لے کر فاتحانہ شان سے کوفہ کو روانہ ہوئے۔

یزید کا انجام

موت سے نہ کوئی بچا ہے اور نہ کوئی بچے گا۔ موت برحق ہر جاندار بے جان غرضیکہ اس کی ہر مخلوق کو فنا ہے۔ امیر غریب بادشاہ و فقیر ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور چکھا ہے۔ موت نے نہ کسی پیغمبر کو نہ کسی ولی کو نہ کسی نیک کو نہ کسی شقی کو چھوڑا۔ اس سے نہ کسی مظلوم کو اور نہ کسی ظالم کو نہ دوزخی کو اور نہ جنتی کو چھٹکارا ملا۔ لیکن کسی ظالم کی موت کو ایک امر اتفاق یا شدنی تصور کر لینا بڑی غلطی ہے۔ ہر صاحب بصیرت کا فرض ہے کہ ظالم کی موت کی نوعیت صورت اور کیفیت کو عبرت کی نگاہ سے دیکھے اور غور کرے کہ منتقم حقیقی نے اس کی موت کے کیا کیا سامان فراہم کئے اور دنیاوی کون کون سے عذاب نازل کئے۔ مال و دولت حکومت و اقتدار، اولاد و رشتہ دار کوئی بھی انسان کو موت سے نہ بچا سکا ہے نہ بچا سکے گا۔ یہ چیزیں تو دنیاوی زندگی کی زینت اور چند روزہ زندگی کی تقویت ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید کے سورہ کہف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مال اور بیٹے حیات دنیا کی زینت اور چند روزہ زندگی کی طاقت ہیں۔ (المال والبنون زینة الحیوة الدنیا) سورۂ تغابن میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ انما اولادکم اموالکم

فِتْنَةٌ سوائے اس کے نہیں کہ تمہاری اولاد اور مال فتنہ ہیں۔ بظاہر ان دونوں آیتوں میں تضاد اور اختلاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت میں مال اور اولاد کو زینت فرما رہا ہے اور دوسری آیت میں فتنہ فرما رہا ہے۔ پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ دیکھو یہ مال اور اولاد تم کو یاد خدا سے کہیں غافل نہ کر دیں اگر اللہ کو یاد رکھو گے اس کے احکام کی تعمیل کرو گے اس کی مخلوق کے ساتھ ہمدردی کرو گے ظلم نہ کرو گے تو یہی مال اور اولاد تمہاری دنیاوی زندگی کی زینت ہوں گے اور دوسری آیت میں صاف فرما دیا کہ یہی مال و اولاد کہیں تم کو یاد خدا سے غافل نہ کر دیں اور یہی چیزیں جو تمہاری زندگی کی زینت ہیں تمہارے لئے فتنہ ثابت نہ ہوں جس سے تمہاری دنیا و آخرت دونوں تباہ ہو جائیں۔ غرضیکہ یہی مال و دولت بیوی بچے دنیاوی زندگی کی زینت ہیں بشرطیکہ انسان اپنی حد کے اندر رہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا محافظ رہے اگر کوئی دولت کے نشہ میں بدمست ہو کر اور حکومت کے غرور و تکبر میں احکام خداوندی کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرے گا اور خلق اللہ پر ظلم کرے گا اور اس کو ایذا پہنچائے گا تو پھر یہی مال و دولت اور اولاد فتنہ عظیم اور عذاب الیم کا باعث بن جائیں گے۔

یزید کی سلطنت مسلمانوں کی سب سے بڑی تھی اس کا رعب و دبدبہ اتنا تھا کہ کوئی چون و چرا نہ کر سکتا تھا۔ گردن زدنی اس کا مشغلہ تھا۔ مسلمان ضرور تھا۔ نماز بھی پڑھتا تھا لیکن احکام الٰہی کی کھلم کھلا خلاف ورزی اس کا شعار تھا۔ اس کو اگر خوف تھا تو خاندان رسالت سے تھا۔ اسی مال و دولت اور حکومت کے گھمنڈ پر اس نے اس کانٹے کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے کیا کچھ نہ کیا۔ نواسہ رسولؐ جگر گوشہ علی و بتولؑ کا خون ناحق اپنی

سلطنت کو مستحکم کرنے کی خاطر بہایا۔ خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی۔ حرم رسول اکرمؐ مخدرات عصمت کو سربازار برہنہ پھرایا۔ اپنے دربار میں بے حرمت کیا اور فتح و نصرت کے شادیانے بجوا کر اپنی حکومت کی تشہیر کی لیکن یہی ظاہری فتح اس کے لئے بدترین شکست اور یہی سلطنت و شوکت و سطوت اس کے لئے فتنہ و ذلت ثابت ہوئی۔ روز عاشورہ خون ناحق کا پہلا قطرہ کربلا کی تپتی ریت پر گرا۔ ادھر یزید کی سلطنت کی بنیادوں میں زلزلہ پیدا ہوا اس کا دل و دماغ' زوجہ' اولاد' مصاحبین' درباری' لواحقین' رعایا سب اس پر لعنت کی بوچھاڑ کرنے لگے اور فتنہ ثابت ہوئے۔ اس قاتل سلطنت کے گھمنڈ پر وہ وحشیانہ حرکات کیں کہ جس کے تصور سے جسم کانپنے لگتا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ وہ اور اس کے ارکان سلطنت اور مشیر کیسے انسان صورت اور شیطان سیرت تھے جن سے وہ عمل سرزد ہوئے جن سے کفار بھی پناہ مانگتے تھے۔ ان شیطان صفت انسانوں سے وہ وحشیانہ حرکات سرزد ہوئیں کہ اس گھر کو اجاڑا جس کا طواف فرشتے کرتے تھے جس کے آستانہ کی طرف تقدس سے لبریز آنکھیں اٹھتی تھیں۔ لاکھوں ہاتھ احتیاج کے خواستگار بلند ہوتے تھے جس گھر میں قرآن پاک اترا تھا اور گھر والوں کی پاکیزگی کی سند لے کر اترا تھا۔ جس گھر پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بعد نماز صبح تشریف لا کر سلام بھیجا کرتے تھے۔ وہی گھر اس سنگدل یزید کے حکم سے تباہ کیا گیا لوٹا گیا جلایا گیا۔ پھر اس شقی ازلی کو کس طرح چین مل سکتا تھا۔ قدرت کا انتقام لینے والا ہاتھ اپنا کام کر رہا تھا اور بے گناہ مظلوموں کا حامی خدا ان کی حمایت کر رہا تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ موت کا فرشتہ کس طرح اس ملعون کو اپنے شکنجے میں جکڑتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ امام مظلوم کے خون ناحق نے یزید کی وسیع

سلطنت کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا تھا۔ انتقام کی آگ پوری سلطنت میں پھیل چکی تھی۔ تمام ملک میں بغاوت شروع ہو چکی تھی اور ایک زبردست فتنہ جنم لے رہا تھا جس کی وجہ سے یزید کا دل و دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ رات کو خواب میں بھیانک شکلیں نظر آتی تھیں۔ نہ دن کو چین نہ رات کو آرام۔ چہرہ سیاہ ہو گیا۔ ناک میں ناسور ہو گیا کیڑے پڑ گئے۔ درد قولنج کا شکار ہو گیا یہ وہ دنیوی عذاب تھے جن میں وہ گرفتار تھا۔ درد قولنج کی وجہ سے سر دیوار پر پٹختا تھا۔ ہرچند علاج ہو رہا تھا لیکن مرض کی شدت بڑھتی جا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ پیاس کی زیادتی اس قدر تھی کہ ہائے پانی ہائے پانی کرتا رہتا تھا۔ جب پانی پیتا تو چلاتا ہائے آگ ہائے آگ کہتا تھا۔ یہ تھی اس منتقم حقیقی کی آتش انتقام کون بجھائے اور کس کے بجھائے بجھ سکتی تھی۔ ہاں ممکن ہے عذاب نازل کرنے والے فرشتے کہتے ہوں کہ نواسہ رسول ؐ کو پیاسا ذبح کرانے والے اب اپنی پیاس کا مزہ چکھ اور اپنا انجام دیکھ اے خیام اہلبیت کو آگ لگوانے والے دنیا میں بھی آگ کا مزہ چکھ اور دوزخ کی آگ بھی تیری منتظر ہے۔ تڑپ تڑپ کر مر۔ اے باغ رسالت کو اجاڑنے والے اپنے باغ جوانی کو بھی اجڑتے ہوئے دیکھ۔ گلزار امامت اجاڑ کر شادیانے بجواتے والے اب اپنی زندگی کے باغ کی خزاں بھی دیکھ۔ کوئی تجھ پر رونے والا نہ ہو گا بلکہ ہر طرف سے ہمیشہ تیرے نام پر لعنت پڑتی رہے گی۔ بنی ہاشم کے جوانوں کو قتل کرانے والے۔ اصغر بے شیر کے گلے پر تیر چلوانے والے اب ذرا تو بھی حسرت کے تیروں کا مزہ چکھ حکومت کے نشہ میں خدا اور رسول ؐ کو بھولنے والے دوزخ میں تیری جگہ مقرر ہو چکی ہے۔ غرض کہ یزید کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ جتنا علاج ہوتا مرض میں اضافہ ہوتا گیا۔ روم سے ایک ڈاکٹر

کو بلایا گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ مریض کو کسی صحت بخش مقام پر لے جایا جائے۔ حمص لے جایا گیا۔ قدرت کو کچھ اور منظور تھا اس کی بیماری میں بجائے کمی کے اور زیادتی ہوئی۔ راتوں کو چیختا تھا چلاتا تھا تڑپتا تھا کہ مجھے آگ کے شعلے اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اژدھے مجھ پر پھنکاریں مار رہے ہیں۔ پانی پر پانی پیتا آگ نہ بجھتی تھی۔ پیٹ پھول کر نقارہ بن گیا تھا اس کرب و بے چینی کے عالم میں اپنے بیٹے معاویہ کو بلایا اور سلطنت کے متعلق کچھ ہدایات دیں۔ معاویہ کربلا کے واقعہ پر انتہائی رنج و ملال میں تھا۔ خدا نے شیطان کے گھر انسان پیدا کیا تھا۔ باپ کی ہدایات اور وصیت کو سن کر تڑپ گیا اور چیخنے لگا۔ باپ کا انجام اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ بولا بابا جی مجھے تو خدا کے لئے اس منحوس سلطنت سے معاف رکھیے جس کی بنیادیں آل رسولؐ کے خون ناحق پر رکھی گئی ہیں۔ میں اس منحوس تخت پر قدم نہیں رکھ سکتا جس کے نیچے امام حسینؑ کا سر مبارک رکھا گیا تھا۔ میں اپنی چند روزہ زندگی کے لئے اپنی آخرت کو تباہ نہیں کر سکتا۔ یزید کے کلیجہ پر بیٹے کی یہ باتیں تیر بن کر لگیں۔ تڑپنے لگا اور سمجھ گیا کہ جس سلطنت کے لئے میری دوگت بنی جس کے لئے میں نے یہ عذاب اپنے سر پر لیا اس کو میرا لخت جگر ٹھکرا رہا ہے۔ اب یہ بھی خاندان سے گئی۔ بیٹے کو ہر طرح سے سمجھایا لیکن اس نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور سلطنت کو ٹھکرا کر اپنے باپ کے پاس سے چلا گیا۔ اراکین کے اصرار پر یزید شکار کو گیا لیکن جو خود موت کا شکار ہو وہ خود کیا شکار کرے کسی نہ کسی طرح جنگل کی طرف چلا۔ ایک ہرن کو دیکھا اس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا ہرن آگے بھاگ کر کھڑا ہو گیا یزید آگے بڑھا ہرن اور آگے بڑھ گیا۔ یزید نے

مجبور ہو کر واپس ہونے کا ارادہ کیا دیکھا کہ ایک آگ کی دیوار حائل ہے جس نے اس کو اپنی حراست میں لے لیا اور اس طرح ۱۴ ربیع الاول ۶۴ھ اس تاجدار اہل نار کا خاتمہ ہوا اور صرف چار سال کی مدت میں کفران جسیم کی گٹھڑی لاد کر دوزخ میں داخل ہوا۔

دنیا والے یزید کی موت سے عبرت حاصل کریں۔ وہ شان وہ آن بان وہ قصر شاہی وہ فوج وہ رعب و دبدبہ کہاں گیا۔ اس کی نسل میں کوئی باقی نہیں رہا حتیٰ کہ اس کی قبر تک کا نشان نہیں۔ سب کچھ نیست و نابود ہو گیا جس باغ کو یزید نے اجاڑا جس کی نسل کو اس نے ختم کرنا چاہا جس پر ظلم و ستم ڈھائے جن کو در بدر پھرایا۔ دیار میں بے حرمتی کی گئی۔ آج اتنی مدت گزرنے کے بعد ان کا چمن کس طرح لہلہا رہا ہے ان کے مرقد زیارت گاہیں ہیں اپنی مرادیں مانگی جاتی ہیں۔ تمام مسلمان ان ہستیوں پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ مظلوم کربلا اس دنیا سے بے مونس و مددگار سدھارے۔ آج تمام دنیا ان کی فوج ہے۔ ان کے سامنے گردنیں جھکاتے ہیں ان کی مجالس برپا کی جاتی ہیں۔ ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے ان کی نسل باقی ہے۔ ان کی عالمگیر سلطنت کا سکہ دنیا والوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے۔ ہر جگہ خدا کے نام اور رسولؐ کے نام کے ساتھ ان کا نام لیا جاتا ہے۔ وہ اس دنیا سے پیاسے گئے لیکن آج کتنی سبیلیں ان کے نام پر لگائی جاتی ہیں۔ ان کے مرقد منبع نور بنے ہوئے ہیں۔ کیسے سنگدل تھے یزیدی لوگ کہ نواسہ رسولؐ کی لاش مطہر کو بے غسل و کفن کربلا کی تپتی ریت پر چھوڑ گئے۔ ہاں اگر دکھیا بہن کے سر پر چادر ہوتی تو لاش مطہر بے کفن نہ رہتی۔ اگر بھائی بے کفن رہا تو بہن سر برہنہ۔ جب اشقیاء آل عبا کو قید کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو اس

لٹے ہوئے قافلہ کو مقتل کی طرف سے لے کر چلے جناب زینب کی نظر بھائی کے لاشہ پر پڑی۔ خدا کسی بہن کو بھائی کا لاشہ نہ دکھائے۔ تڑپ کر اونٹ سے نیچے گریں اور بھائی کی لاش کو سینہ سے لگا لیا اور کہا ہائے میرے پردیسی بھائی ہائے میرے غریب بھائی یہ دکھیا بہن آپ کو اس حال میں دیکھنے کے لئے زندہ رہ گئی۔ کاش یہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں بھیا اس قیدی بہن کو اپنے پاس بلا لو۔ بھیا دیکھو تو تمہاری چہیتی بہن سر برہنہ ہے کاش کہ سر پہ چادر ہوتی تو تمہاری لاش جو دھوپ میں ہے اس کا سایہ کرتی۔ بہن کے ان دل خراش بین سے سر بریدہ لاش امام مظلوم تڑپنے لگی اور قافلہ کوفہ کی جانب روانہ ہوا۔

قاتلان امام حسینؑ

بشیر، مالک ابن بشیر وغیرہ ابن اسد، حارث، ابن نوفل، عمر ابن عبداللہ، خولی اور اسحاق بن اشعث کا انجام

خداوند عالم عادل ہے وہ ہر شخص کے اعمال کا محاسبہ کرتا ہے۔ اپنی میزان عدل پر تولتا ہے اس کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں اور دیر بھی اسی لئے کہ وہ رحیم ہے کریم ہے۔ ظالموں کو ڈھیل بھی دیتا ہے کہ شاید اب بھی توبہ کرلیں لیکن جب ان کی سنگدلی اور ظلم حد سے بڑھ جاتا ہے تو پھر ان سے اسی دنیا میں انتقام لیتا ہے اور مظلوموں کے ولی کو حکومت عطا کرتا ہے تاکہ وہ ان ظالموں سے اسی دنیا میں انتقام لے۔

اگر امیر مختار کے ابتدائی حالات کو دیکھا جائے تو کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ایک ایسا معمولی آدمی جو سلطنت کوفہ کا ایک قیدی تھا دست قدرت اس سے ایسا عظیم الشان کام لے گا کہ وہ سلطنت جو طاقتور تھی جس کی کثیر فوج تھی جس کی شان و شوکت کا ڈنکا دنیا میں بج رہا تھا جس کے ایک اشارے پر سر قلم کر دیئے جاتے تھے اس کی بیخ کنی کے لئے خداوند عالم امیر مختار جیسے شخص کو مقرر کرے گا جو ان ملعونوں سے خون ناحق امام حسین علیہ السلام کا بدلہ لے گا اور اک ایک کو چن چن کر قتل کرے گا۔ حکومت کوفہ پر پورا اقتدار قائم کرنے کے بعد امیر مختار نے ایسا ہی کیا وہ رات کو

تکلن سے نہ سوتے تھے نہ نرم بستر پر سر رکھتے تھے نہ بالوں میں کنگھی کرتے تھے نہ آئینہ دیکھتے تھے باوجودیکہ سربراہ حکومت تھے۔ ہر قسم کا عیش و آرام میسر تھا ممکن تھا کہ دولت و امارت کے مشاغل میں مصروف ہو کر انتقام کو بھول جاتے لیکن نہیں ہرگز نہیں وہ تو ایسے خیالات سے کوسوں دور تھے۔ اپنی عقیدت کے راسخ ارادے کے پکے وعدہ کے سچے بات کے دھنی اور جس نیک کام کو لے کر اٹھے تھے دن و رات اسی میں مصروف رہتے۔ وہ وقت بھی عجب قیامت خیز عجب عبرتناک منظر تھا جب امیر مختار نے یہ اعلان عام کرایا کہ واقعہ شہادت امام حسین علیہ السلام میں جن جن افراد نے کسی نہ کسی صورت سے حصہ لیا ہے تلوار اٹھائی ہے یا ہمدردی ظاہر کی ہے یا امداد دی ہے یا دلچسپی لی ہے یا خوشی کا اظہار کیا ہے یا اس منظر کو ٹھنڈی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ سب گردن زدنی کے لائق ہیں۔ ایسے سب لوگ قصر حکومت میں حاضر ہوں اگر کوئی مجرم کسی کے گھر میں پوشیدہ پایا گیا یا کسی نے ایسے مجرم کو پناہ دی یا اس کے ساتھ ہمدردی کی یا اس کو کہیں بھگا دیا وہ بھی قتل کیا جائے گا جس کے گھر امام تشنہ کام کا قاتل دیکھ لیا جائے گا اس گھر کی بنیادیں کھدوا کر پھینک دی جائیں گی۔ اس اعلان عام کے ہوتے ہی ناکہ بندی کر دی گئی۔ راستوں پر پہرے بٹھا دیئے گئے تاکہ مجرم نہ بھاگ سکیں کچھ دیر کے بعد بشیر، مالک ابن بشیر صالح وغیرہ جیسے دس افراد جو قاتلان امام مظلوم میں سے تھے۔ امیر مختار کے سامنے دربار میں پیش کئے گئے ان کو دیکھ کر امیر مختار کا چہرہ سرخ ہو گیا فرمایا او بدبختو چند روزہ زندگی کے لئے آخرت کو تباہ کرنے والو تم ہی نے نواسہ رسول ؐ کے خلاف تلوار اٹھائی تم ہی نے ان پر پانی بند کیا۔ مخدرات عصمت و طہارت کو تم ہی نے تشہیر کیا۔ سب

کے سب کانپنے لگے۔ ہاتھ جوڑ کر بولے امیر رحم ہم تو ابن زیاد کے حکم سے مجبور تھے ۔ امیر مختار نے فرمایا میں خدا اور رسولؐ کے حکم سے مجبور ہوں ملعونو تمہیں ماروں گا ضرور ماروں گا۔ آسانی سے نہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔ سب کے سب امیر مختار کے قدموں پر گر کر رحم رحم چلانے لگے۔ امیر مختار نے کہا دنیا کے کتو کیا تم نے کربلا میں نواسہ رسولؐ پر رحم کیا تھا۔ کیا تم نے پیاسے بچوں پر بھی رحم کیا تھا جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ اتنے بڑے جرم کے بعد تمہیں ہرگز حق نہیں کہ اس دنیا میں زندہ رہو جاؤ اپنے سردار ابن زیاد کے پاس جاؤ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ امیر مختار نے حکم دیا کہ ان پر تیروں کی بارش کر دو۔ فوراً تیروں کی بوچھاڑ ہوئی اور سب کے جسم پارہ پارہ ہو گئے اور تڑپ تڑپ کر جان نکل سر کاٹ کر ان کے نام لکھ کر کانوں میں باندھ دیئے گئے اور دارالامارہ کے دروازہ پر لٹکا دیئے گئے۔ لاشوں کے پاؤں میں رسی باندھ کر کوفہ کے بازاروں میں گھسیٹا گیا۔ اللہ اللہ یہ وہی کوفہ ہے جس کے دارالامارہ کے دروازہ پر سفیر امام مظلوم کا سر لٹکایا گیا تھا۔ زیر تخت قرآن ناطق کا سر رکھا گیا تھا۔ مخدرات عصمت کو سر برہنہ دربار میں لایا گیا تھا۔ آج وہی کوفہ ہے جہاں ظالموں کے سر لٹک رہے ہیں۔ ان کی لاشوں کو گلیوں میں گھسیٹا جا رہا ہے۔ ہر طرف سے لعنت برس رہی ہے یہ ہے خون ناحق کا اثر۔

کچھ دیر بعد امیر مختار کے فوجی عبداللہ بن کامل' ابن اسد کو گرفتار کر کے لے آئے۔ امیر مختار نے پوچھا کہ او ملعون تو امام مظلوم کے مقابلہ کے لئے گیا تھا اس نے سر جھکایا۔ امیر نے کہا تجھے شرم نہ آئی کہ ان کے نانا کا کلمہ پڑھ کر نواسہ پر تلوار اٹھائی اس نے کہا امیر معاف کیا جاؤں۔ مختار نے

فرمایا اگر میرا قصور ہوتا تو معاف کر دیتا لیکن تیرا قصور ناقابل معافی ہے اور مجھے معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ ابن اسد نے امیر مختار کے غلام خیر سے چپکے سے کہا کہ ایک ہزار اشرفی لے لو اور میری جان بخشی کرا دو۔ خیر نے کہا سبحان اللہ تجھ جیسے شقی کی سفارش کیا کی جا سکتی ہے ارے بدبخت اگر تیری گرفتاری میں مجھے اپنی جیب سے ایک ہزار اشرفیاں دینا پڑتیں تو میں خرچ کر دیتا۔ امیر مختار کے حکم سے دونوں کی گردنیں اڑا دی گئیں اور نام کی پرچی لٹکا کر سر دروازہ پر لٹکا دیے گئے اور لاش آگ میں پھینک دی گئی۔ روزانہ یہی سلسلہ جاری رہا کہ ملعونوں کو پکڑ کر لایا جاتا اور مارا جاتا تھا۔ ایک دن عبداللہ نے ایک ضعیفہ کو پیش کیا جس نے کہا کہ میرے گھر میں چار قاتلان امام مظلوم چھپے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھے بازار سے کھانا لانے بھیجا ہے میں آپ کو اطلاع دینے چلی آئی۔ امیر مختار نے ضعیفہ کا شکریہ ادا کیا اور اس کو انعام دے کر رخصت کیا۔ فوج اس کے گھر بھیجی جس نے گھر کا محاصرہ کیا۔ چاروں مجرم گرفتار کر کے امیر مختار کے روبرو پیش کیے گئے۔ ان میں سے تین حارث' ابن نوفل اور عمر ابن عبداللہ تھے جنہوں نے خیام امام مظلوم کو لوٹا تھا اور بیمار کربلا کے تازیانہ مارا تھا۔ ان تینوں کے اتنے تازیانے مارے گئے کہ تڑپ تڑپ کر دوزخ میں پہنچ گئے۔ چوتھے کے متعلق یہ شہادت ملی کہ وہ معرکہ کربلا میں موجود نہ تھا۔ وہ رہا کر دیا گیا۔ امیر مختار کو خولی جس نے سر امام تشنہ کام کو نیزہ پر بلند کیا تھا' کی تلاش تھی۔ یہ ایک بااثر شخص تھا اس کا پتہ نہ چلا۔

اس بدبخت کی دو بیویاں تھیں۔ ایک شامیہ دشمن اہلبیت دوسری کوفہ کی جو محب اہلبیت تھی۔ جب شامیہ سے دریافت کیا تو اس نے نہ بتایا۔

تشدد کیا پھر بھی پتہ نہ بتایا۔ جب دوسری بیوی سے پوچھا تو اس نے تہہ خانہ کی طرف اشارہ کر دیا جس کا علم سوائے ان عورتوں کے اور کسی کو نہ تھا سپاہی اندر گئے وہ مل گیا اس کی مشکیں باندھ کر گھسیٹتے ہوئے لے آئے اور اس کو اور اس کی دونوں بیویوں کو امیر مختار کے دربار میں پیش کیا۔ اول کوفہ والی بیوی پیش ہوئی اور کہا اے امیر بے شک یہ شقی میرا شوہر ہے۔ قابل عزت و احترام ہے لیکن جہاں اللہ کے پیاروں کا معاملہ ہے وہاں شوہر کی کچھ ہستی نہیں۔ یہ وہ شقی ہے جس نے سر مبارک فرزند رسولؐ نیزہ پر بلند کیا تنور میں رکھ کر میرا دل جلایا مجھے خون کے آنسو رلائے۔ میرے رونے پر مجھے تازیانے مارے۔ میں جانتی ہوں کہ اس کے مرنے پر میرا سہاگ لٹے گا۔ مانگ اجڑے گی لیکن اس شقی کی ذات نے ان بزرگ زادیوں کا سہاگ لوٹا۔ مجھے ذرہ برابر بھی اپنی بیوگی کا غم نہیں میں کمزور عورت ہوں میں نادم ہوں کہ اتنے بڑے مجرم کی زوجیت میں رہی ہی۔ امیر مختار نے اس کو دس ہزار درہم عطا کئے اور فرمایا اے بہن مطمئن رہو۔ تمہاری پرورش کا خیال رکھا جائے گا۔ پھر شامیہ پیش کی گئی۔ امیر مختار نے اس سے پوچھا اور شقیہ تو نے قتل امام مظلوم کی اپنے خبیث شوہر کو مبارکباد دی تھی۔ شقیہ کی گردن جھک گئی۔ لرزنے لگی۔ مختار کے اشارہ پر اس کی آنکھیں نکال لگئیں' ہاتھ پاؤں کاٹے گئے اور فی النار ہوئی۔ اب خولی کو پیش کیا گیا۔ امیر مختار کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ پوچھا او بدذات تو مسلمان ہے یا کافر۔ اس نے کہا مسلمان۔ فرمایا بدبخت جھوٹ بولتا ہے۔ کیا کوئی شخص رسولؐ کا کلمہ پڑھ کر ان کے نواسہ پر ظلم کر سکتا ہے۔ کمبخت تیری آنکھیں نہ پھوٹ گئیں۔ تیرے ہاتھ نہ ٹوٹ گئے۔ تو نے سر مبارک کو نیزہ پر اکڑ کر چڑھایا۔ فخریہ شعر پڑھے۔ وہ

بولا میں ہی تو اکیلا نہ تھا ہزاروں افراد شریک تھے جو سب مسلمان تھے۔ مختار نے فرمایا۔ وہ سب کے سب کافر تھے۔ بخدا وہ کافر ہزار درجہ ان مسلمانوں سے بہتر تھے کیونکہ وہ حالت کفر میں تھے۔ ارے تو اور تجھ جیسے مسلمان جو کلمہ بھی پڑھتے تھے اور نواسہ رسول ؐ کو قتل بھی کرتے تھے تم لوگ انسان ہی نہیں درندے ہو' وحشی ہو۔ امیر مختار کے حکم پر اس شقی کی ایک ایک بوٹی کی گئی۔ گردن جدا کی گئی۔ نیزہ پر سر بلند کیا گیا اور تمام شہر میں پھرایا گیا۔ لوگ اس پر تھوکتے تھے' پتھر مارتے تھے' پھر دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔

اسحاق بن اشعث وہ شقی تھا جس نے امام مظلوم کی لاش مبارک پر گھوڑے دوڑائے تھے۔ جنگل میں چھپتا تھا۔ قاتلان امام مظلوم کے حالات سنتا تھا اور اپنی موت کی بھیانک تصویریں اس کی نگاہوں میں پھرتی رہتی تھیں۔ اس کی بہن امیر مختار کے معتمد افسر عبداللہ ابن کامل کے گھر میں تھی۔ اشعث رات کے سناٹے میں چھپ کر بہن کے گھر آیا اور بہن سے کہا ماں جائی تو مجھے اپنے شوہر سے کہہ کر مختار کے پنجہ سے بچا سکتی ہے۔ وہ اس کو لے کر عبداللہ کے پاس آئی اور اپنی محبت کا واسطہ دے کر بھائی کو بچوانے کے لئے کہا۔ عبداللہ نے انکار کیا اس نے رونا شروع کر دیا۔ زوجہ کی محبت اس کے نور ایمان پر چھا گئی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میں کوشش کروں گا۔ عبداللہ حاضر دربار ہوا اور امیر مختار کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ میری خدمات کے صلہ میں میری زوجہ کے بھائی اسحاق بن اشعث کو مجھے بخش دیجئے اور اس کو معاف فرما دیجئے۔ امیر مختار یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے۔ وہ اپنے ماتحت کی دل شکنی بھی نہ چاہتے تھے اور اپنے مقصد و مطلب کو بھی نہ چھوڑنا چاہتے تھے۔ بات کو ٹال کر عبداللہ کے ہاتھ میں

انگشتری دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ انگشتری کہاں سے لی ہے۔ عبداللہ نے فوراً انگشتری اتار کر مختار کی نذر کی جو انہوں نے لے لی اور خاموشی سے اپنے غلام خیر کو بلا کر کہا کہ عبداللہ کے گھر جاؤ اور یہ انگشتری دکھا کر اسحاق کو بلا لاؤ۔ غلام گیا اور انگشتری دکھائی اور اسحاق کو اپنے ہمراہ لے آیا۔ اس کو باہر بٹھا کر مختار کے پاس گیا اور خبر کی۔ مختار نے اس سے کہا یہاں لانے کی ضرورت نہیں' اس کے ہاتھ پاؤں میں کیلیں گاڑ سواروں سے پامال کرا دو اور اس کا سر کاٹ کر لے آؤ۔ تعمیل کی گئی اور سر پیش کیا گیا۔ مختار نے عبداللہ سے کہا یہ اپنی انگشتری لو اور اپنے سالے کا سر دیکھو۔ عبداللہ کے دل میں نور ایمان روشن ہوا اور بولا اے امیر موت و حیات انسان کے قبضہ میں نہیں' اگر ہوتی تو آج اسحاق بچ جاتا لیکن خون ناحق کا انتقام خود منتقم حقیقی لے رہا ہے۔ میں نے فضول آپ سے سفارش کر کے گناہ اپنے سر رکھا یہ مجھ سے خطا ہوئی۔ توبہ کرتا ہوں اور اپنی زوجہ کو طلاق دیتا ہوں۔ امیر مختار نے عبداللہ کو گلے لگایا اور فرمایا ہاں بھائی ہم کوئی چیز نہیں یہ تو خدائی انتقام ہے۔ اس کی گرفت سے کون بچ سکتا ہے۔ ابھی یہ ذکر ہی تھا کہ مرہ بن منقذ قاتل شہزادہ علی اکبر کو گرفتار کر کے پیش کیا گیا۔ امیر مختار کا چہرہ اس کو دیکھ کر تمتما گیا۔ خون جوش مارنے لگا آنسو بہنے لگے فرمایا ملعون تو نے ہی اپنے رسول ؐ کی جیتی جاگتی تصویر مٹائی اور شہزادہ علی اکبر کے برچھی ماری۔ تجھے شرم نہ آئی۔ خون ناحق کیا۔ اس کی گردن شرم سے جھک گئی اور کہا کہ میں ہی تو اکیلا نہ تھا امیر نے فرمایا ہاں تجھ جیسے بہت تھے۔ عبداللہ بن کامل نے کہا اے امیر یہ وہی شقی ہے جبکہ شہزادہ علی اکبر نے شدت پیاس سے مجبور ہو کر خدمت عالی مقام میں حاضری دی اور عرض کیا

بابا جان پیاس سے دم نکلا جاتا ہے۔ امام مظلوم نے نور نظر کو سینہ سے لگا کر فرمایا جان پدر یہ بہت شاق ہے کہ مجھ سے ایسا سوال کرو اور میں پورا نہ کر سکوں یہ کہہ کر امام انام نے اپنی زبان شہزادہ علی اکبر کے منہ میں دے دی۔ جناب علی اکبر نے فوراً اپنا منہ ہٹا لیا اور فرمایا بابا آپ کی زبان تو میری زبان سے زیادہ خشک ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا بیٹا اب دنیا کا پانی پی کر کیا کرو گے جاؤ سدھارو تمہارے دادا ساقی کوثر منتظر ہیں۔ یہ فرما کر اپنے لخت جگر کو رخصت کیا۔ میدان کارزار میں گھس کر نابکاروں کو قتل کیا۔ آخر اس شقی نے نیزہ کا ایسا وار کیا کہ علی اکبر گھوڑے پر نہ ٹھہر سکے۔ فرش پر آئے آواز دی۔ بابا مدد کو آیئے۔ امام مظلوم زمین پر بیٹھ گئے۔ طاقت نے جواب دے دیا لیکن صبر سے کام لیا۔ گرتے پڑتے قتل گاہ کی طرف چلے اور فرماتے تھے۔ بیٹا تمہارے بعد جی کے کیا کروں گا جب میرا چاند چھپ گیا تو زندگی کا کیا مزہ۔ مظلوم کربلا کو علی اکبر کا گھوڑا ملا اس کی گردن میں بانہیں ڈال دیں وہ حضرت کو لاش علی اکبر پر لے آیا۔ اس شقی کی برچھی کی انی سینہ جناب علی اکبر میں پیوست تھی۔ خلیل کربلا نے برچھی کی انی نکالی اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا اے پروردگار میں تیرے فیصلہ پر راضی اور تیرے حکم پر سر جھکاتا ہوں۔ گریہ کیا آنسو جناب علی اکبر پر گرے غش سے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا بابا جان میرا غم نہ فرمایئے۔ عبداللہ ابن کامل کے اس بیان پر سب دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ امیر مختار نے خود اس شقی کے ہاتھوں کو قلم کیا اور حکم دیا کہ سب لوگ اس کے تیرے ماریں سب نے تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس کا سر کاٹا اور کان میں اس کے نام کا پرچہ باندھ کر دروازہ شہر پر لٹکا دیا گیا۔

عمر سعد اور اس کے بیٹے حفص کی موت

خداوند عالم کو نخوت و غرور پسند نہیں۔ یہ صفت اس کی ہے انسان جب مال و دولت اقتدار و حکومت کے نشہ میں بدمست ہو جاتا ہے تو غرور کرنے لگتا ہے۔ تکبر کے ساتھ ساتھ ظلم بھی اس کا مشغلہ بن جاتا ہے۔ فعل بد کرنا اس کی سرشت ہو جاتی ہے۔ ناچ گانا' شراب نوشی' زناکاری اس کا کھیل ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے زعم ناقص میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ عیش و طرب مال و دولت اقتدار ہی سب کچھ ہے جو میرے قبضہ سے نہیں نکل سکتے۔ کیا دین و اخلاق کیسی جنت و دوزخ یہی دنیا سب کچھ ہے۔ انسان مرتا ہے مٹی مٹی میں مل جاتی ہے۔ نہ کچھ ثواب ہے نہ عذاب۔ بے شک حصول مسرت اور دولت و ثروت ہر انسان کا جائز حق ہے۔ لیکن جب تک دائرہ ایمان میں رہ کر خدا اور رسول ؐ کے حکم کے مطابق عمل کرتا رہے گا وہ اس کے لئے جائز ہو گی جب انسان اپنی حد سے بڑھ کر قدم بڑھائے گا اور خدا اور رسول ؐ کے احکام کو فراموش کر دے گا اور علی الاعلان اس کی خلاف ورزی شروع کر دے گا۔ اس کے بے گناہ بندوں کو اذیت دینا شروع کر دے گا۔ مال و دولت کا بے جا اصراف کرے گا تو وقت کا زبردست

ہاتھ اس کی سرکوبی کے لئے بلند ہو جائے گا اور کچھ اس طرح بلند ہوتا ہے کہ نہ مال و دولت باقی رہتا ہے نہ حکومت و اقتدار سب کچھ برباد ہو جاتا ہے۔ سرفلک محلات مسمار کر دیئے جاتے ہیں۔ ان کا جاہ و حشم ان کی قوت ان کا لشکر ذرہ برابر کام نہیں آتی۔ یہ دنیا جس نے ان باغیوں کو پسندیدہ بنا رکھا تھا جس پر وہ فریفتہ ہو کر اس قادر مطلق کو بھول بیٹھے تھے جس پر گھمنڈ کر کے اپنی انا کو تسکین دینے کی خاطر بے گناہ بندگان خدا کا خون پانی کی طرح بہا دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ وہی دنیا ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتی۔ قدرت پھر ان کو سزا دینے کے لئے کسی نہ کسی موسیٰ کو پیدا کر دیتی ہے۔ بے شک یزید و ابن زیاد نے نشہ حکومت میں مست ہو کر اپنی فرعونیت کا پورا پورا مظاہرہ کربلا میں کیا۔ نواسہ رسولؐ اور ان کے رفقاء کا ناحق خون کربلا کی جلتی ریت پر بہایا۔ فتح و نصرت کے شادیانے بجوائے لیکن جب دست قدرت کے انتقام لینے کا وقت آیا تو وسیع سلطنت دم کے دم میں تباہ و برباد ہو گئی۔ اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ابن زیاد ایک معمولی شخص ابراہیم ابن مالک اشتر کے ہاتھوں قتل ہوا۔ عمر سعد اپنے لشکر جرار سے لشکر حسینی کو تہ تیغ کر کے اپنے دل کے حوصلے پورے کر چکا لیکن ابھی اس نے خدائی تلوار کا وار نہیں دیکھا تھا جو امیر مختار کے ہاتھوں اس کے سر پر چمکنے والی تھی۔

امیر مختار نے ان ملعونوں کو جو واقعہ کربلا میں شریک تھے چن چن کر موت کے گھاٹ اتارا اور کوفہ کی اس کے مضافات کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ غلام اپنے آقا کی، بیٹے اپنے باپ کی، بیویاں اپنے شوہروں کی مخبری کر کے گرفتار کراتی تھیں اور امیر مختار ان کو قتل کرا دیتے تھے۔ کسی وقتی اور

ضروری مصلحت کی وجہ سے امیر مختار نے عمر سعد شقی کو چھوڑ رکھا تھا لیکن وہ مطمئن نہ تھا۔ اندھا نہ تھا قاتلان امام علیہ السلام کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اور اپنے کانوں سے سن رہا تھا۔ زندہ تھا لیکن بے موت مر رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مختار کے ہاتھوں سے اس کا بچنا مشکل تھا۔ ایک روز یحیٰی ابن جعفر کے گھر آیا جو امیر مختار کے قریب تھے اور پناہ چاہی۔ یحیٰی ابن جعفر نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا او ظالم تجھے میرے مکان میں آنے کی کس نے جرات دلائی۔ عمر سعد نے کہا تمہاری محبت مجھے یہاں لائی ہے۔ یحیٰی نے کہا او شقی میرے تیرے دوستانہ تعلقات پہلے تھے لیکن جس روز سے تو قاتلان امام حسین علیہ السلام کا سپہ سالار ہو کر کربلا گیا ہے اور وہاں تو نے جس بربریت کا دردناک مظاہرہ کیا ہے میں نے عہد کیا کہ تیری منحوس صورت نہ دیکھوں گا میرے مکان سے نکل جا۔ عمر سعد نے کہا۔ یحیٰی میرے زخمی دل کو اور نہ دکھا جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ یحیٰی نے کہا او ظالم جو کچھ ہونا تھا وہ تو اوروں کے لئے تھا اب تیرے لئے جو ہو گا اس کے لئے تیار ہو جا۔ بدبخت تجھے رے کی حکومت کے تصور نے اندھا کر دیا تھا۔ نہ حکومت ملی اور نہ آخرت۔ اب موت سے کیوں گھبراتا ہے۔ تیرے ساتھی اور لشکر والے جہنم میں پہنچ چکے ہیں وہاں تجھے ان کی سپہ سالاری ملے گی۔ جلدی میرے مکان سے نکل جا ورنہ دھکے دے کر نکالوں گا۔ عمر سعد سخت ہراساں ہو کر اپنے گھر آیا۔ اپنی بیوی کے پاس گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مومنہ امیر مختار کی حقیقی بہن تھی۔ عمر سعد اس امید پر اس کے پاس گیا کہ شاید وہ اپنے بھائی سے معافی دلا دے۔ کہنے لگا خدا کے لئے میری جان بچا دے اور میرے حال پر رحم کھا۔ اس مومنہ نے کہا کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اس پر رحم کیا

جاتا ہے۔ ظالم تو نے کربلا میں رسولؐ کی آل پر کب رحم کیا جو آج مجھ سے رحم کی توقع رکھتا ہے۔ بدبخت تو نے گلزار رسالت کو اجاڑا' شہزادی کونین کی کھیتی کو پامال کیا۔ حکومت زر اور مال و دولت کا بھوت تیرے سر پر سوار تھا۔ جب تو یزیدی فوج کا سپہ سالار بن کر جا رہا تھا میں نے تیری کتنی منت و سماجت کی کہ باز رہ لیکن تو تو اندھا ہو چکا تھا ایک نہ سنی اور وہ عمل کیا جو درندے بھی نہ کرتے۔ تو نے بہتی نہر کے کنارے ایک ایک بوند پانی کے لئے معصوموں کو ترسایا۔ اب مجھ سے سفارش کروانا چاہتا ہے۔ یہ وہ ہونا منظور لیکن سفارش ہرگز نہ کروں گی۔ عمر سعد کی آخری امید بھی ختم ہو گئی۔ اس کی زوجہ اپنے بھائی کے پاس پہنچی اور رو کر کہا پیارے بھائی تم نے اب تک میری مانگ نہ اجاڑی میرے منحوس سہاگ کا خاتمہ نہ کیا۔ خدا کے لئے مجھے جلد بیوہ بنا۔ مجھے اس منحوس شوہر سے اس کی زوجیت سے چھٹکارا دلاؤ۔ امیر مختار نے بہن کو گلے لگایا اور کہا شاباش میری ماں جائی شاباش آخر تو مختار کی بہن ہے۔ جس نے اس شقی کو تمہاری وجہ سے نہیں چھوڑا۔ بہن یہ انتقام تو خدائی انتقام ہے میں تو ایک آلۂ کار ہوں۔ میں نے اس کو چھوڑا نہیں کسی وقتی مصلحت کی بنا پر اس کو زیر نگرانی رکھا ہے اب انشاء اللہ کل صبح ہی اس کے ناپاک وجود سے دنیا کو پاک کر کے تمہارا اور اپنا دل ٹھنڈا کروں گا۔ یہ ہے بہن اور بھائی کی اہلبیت اطہار سے عقیدت اور محبت۔ ایسے واضح واقعات اور حالات کے پیش نظر کوئی صاحب عقل سلیم یہ کہہ سکتا ہے کہ امیر مختار نے جو کچھ کیا وہ سلطنت حاصل کرنے کے لئے کیا۔ امیر مختار نے صبح ہی سپاہیوں کو بھیجا جنہوں نے گرفتار کر کے عمر سعد کو حاضر دربار کیا۔ مختار نے اس کے منہ پر تھوک کر کہا۔

امیر: کیوں عمر جو کار بد تو نے انجام دیا اس کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟

عمر: تقدیر خدا۔

امیر: کربلا کیوں گیا تھا اور اہلبیت رسالت کو کیوں شہید کیا؟

عمر: تقدیر خدا۔

امیر: کیا تقدیر خدا یہی تھی کہ تو نے ان کو پانی سے محروم رکھا؟

عمر: تقدیر خدا۔

مختار: حکومت رے کی کیوں نہ ملی؟

عمر: یزید نے میری خدمات پر غور نہیں کیا۔

مختار: خدمات یا معصیات، ابن زیاد نے تیرے ساتھ کیا کیا؟

عمر: وہ کچھ فائدہ نہ پہنچا سکا۔

مختار: سیدالشہداء کو قتل کر کے تجھے کیا ملا؟

عمر: کچھ نہیں تقدیر میں ہی لکھا تھا۔

مختار: اچھا تیار ہو جا تاکہ آخری تقدیر جاری ہو۔

اے دوزخیوں کے سردار تجھے ذرا بھی شرم نہ آئی جو تو نے رے کی حکومت کے لالچ میں اپنی آخرت بھی گنوائی تو اندھا ہو گیا تھا جو تو نے ساقی کوثر کے لال کو اور ان کے بچوں کو بوند پانی سے ترسایا۔ تو نے ہی ان پر تیر برسائے اور دوسرے سپاہیوں کو بھی حکم دیا۔ نانا کا کلمہ پڑھنے والے شقی نواسہ رسولؐ کو تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کیا۔ تو نے سیدہ عالم کی شہزادیوں کو سر برہنہ بازاروں میں پھرایا۔ آج تیری فرعونیت کو قطع کر کے تیری لاش کو گلی کوچوں میں پھرواؤں گا۔ بلا لے اپنے لشکر کو جو تجھے بچا لے۔ ابھی

ابھی تجھے بھی وہاں بھیجتا ہوں جہاں ابن زیاد اور یزید سپہ سالاری کا عہدہ دیں گے۔ اے بدبخت اپنی آخری تقدیر کا مزہ بھی چکھ لے۔

یہ کہہ کر ایک ہی وار میں اس کی گردن اڑا دی۔ لاش کو نکلوا دیا۔ چند گھنٹے گزرنے کے بعد اس کی لاش میں کیڑے اہلنے لگے۔ آنے جانے والے اس پر تھوکتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اس کا بیٹا حفص حاضر دربار ہوا۔ مختار نے یتیم سمجھ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور باپ کا سر دکھا کر کہا تو اس کو پہچانتا ہے۔ اس نے کہا یہ تو میرے باپ کا سر ہے۔ ان کے بعد اب زندگی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ یہ سن کر مختار کی آنکھیں سرخ ہو گئیں اور کہا تو بھی زندہ نہیں رہے گا۔ شہزادہ علی اکبر کے خون ناحق کے انتقام میں سہی لیکن نہیں نہیں کہاں وہ اور کہاں یہ اگر میں ستر ہزار بھی تجھ جیسے قتل کروں تب بھی ان حضرت کے پیر کی انگلی کے ایک قطرہ خون کا جواز نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر مختار نے اس کے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس سر کو دو مرتبہ قلم کرنا اچھا ہے۔ کیونکہ یہ اپنے باپ کے ساتھ تھا اور اس کی کامیابی پر مسرور تھا۔ حفص کو مختار سے ان باتوں کی امید نہ تھی۔ حیران ہو کر چاہا کہ وہاں سے بھاگ جائے۔ محافظوں نے گرفتار کر لیا۔ کیونکہ ایک سر کو دو مرتبہ کاٹا نہیں جا سکتا اس لئے مختار نے حکم دیا کہ اس کے سر کو دو تلواروں سے جدا کیا جائے۔ چنانچہ دو تلواریں چلیں اور اس کا سر کٹ کر گرا۔ عمر سعد اور اس کے بیٹے کا سر جناب محمد حنفیہ کی خدمت میں مدینہ روانہ کئے گئے۔

ابوالحلیعی شاعر یزید کی موت

ظلم کی ٹہنی سدا پھلتی نہیں

جھوٹ ایسی بری بلا ہے کہ ہر شخص کیا مسلمان کیا کافر کیا چھوٹا بڑا غرض کہ سب اس کو برا سمجھتے ہیں۔ ہر مذہب نے جھوٹ بولنے کی ممانعت کی ہے۔ جابجا قرآن مجید میں خداوند عالم نے جھوٹ بولنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔ جھوٹ شراب سے بدتر اور ایمان کو خراب کرتا ہے۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے ہزار جھوٹ بولنا پڑتے ہیں۔ اس سے چہرہ کی رونق جاتی رہتی ہے۔ حافظہ باقی نہیں رہتا۔ جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ خدا کی رحمت سے بے نصیب ہو جاتا ہے اور جو جھوٹی گواہی دے وہ منافقین کے ساتھ جہنم کے نیچے کے طبقہ میں زبان سے لٹکایا جائے گا۔ جھوٹ انسان کی عادت میں سرایت کر جاتا ہے۔ اگر ہم کسی سے جب کہ وہ اپنا کام کر رہا ہو دریافت کرتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو تو وہ فوراً جواب دیتا ہے "کچھ نہیں" حالانکہ وہ اپنا کام کر رہا تھا۔ جھوٹ کو لاکھ چھپایا جائے نہیں چھپتا۔ چہرہ بتا دیتا ہے۔ حرکات و سکنات جھوٹ کو فاش کر دیتی ہیں۔ سچ پھر سچ ہوتا ہے۔ ظاہر ہو جاتا ہے۔ انسان اگر پہلے ہی سچ کہہ دے تو ایک تو اس گناہ کبیرہ سے بچ جاتا ہے۔ دوسرے ممکن ہے کہ اس کو سچ بولنے سے بجائے نقصان کے

فائدہ ہو جائے۔ چنانچہ ہم ابوالخلیقی جو یزید پلید کا شاعر تھا کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

امیر مختار نے عمر سعد کے قتل کے بعد دوسرے روز شکار کا ارادہ کیا۔ کوفہ کا انتظام و انصرام ابراہیم بن مالک اشتر کو سپرد کر کے امیر مختار شکار و تفریح کی غرض سے روانہ ہوئے۔ اسی روز لوگ ایک شخص کو گرفتار کر کے ابراہیم کی خدمت میں لائے اور عرض کیا کہ یہ شخص یزید کا شاعر ہے اور حضرت امام حسین ؑ کے قاتلوں میں سے ہے ابراہیم نے اس سے دریافت کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا یا امیر میں تو کربلا میں موجود ہی نہ تھا بلکہ جنگ مختار میں شریک تھا۔ جناب ابراہیم نے کہا اگر درحقیقت تو معرکہ کربلا میں نہیں تھا تو میں تجھ کو رہا کر دوں گا اور اگر تیری یہ بات غلط ثابت ہوئی تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اس شاعر نے اسی وقت ایک شعر موزوں کر کے جناب ابراہیم کو سنایا۔

الی سئلت بحق محمد بهم لیک و سیلتی
و علم بابک من طلب طای و لا من توتی صارتی

جناب ابراہیم نے پوچھا کہ تیرا سارقی کون ہے۔ اس نے جواب دیا حسین بن علی صلوات اللہ علیہم۔ ابراہیم نے کہا تو سچ کہتا ہے۔ اچھا یہ تو بتا کہ پھر تو نے ابن زیاد کی رفاقت کیوں اختیار کی تھی اور وہاں سے کیوں نہ چلا گیا۔ اس شاعر نے کہا کہ صرف اپنی بسر اوقات اور معاش کی خاطر ابن زیاد کی خدمت اختیار کی۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اکثر مسلمان اپنے معاش کی خاطر یہودیوں کی ملازمت اختیار کر لیتے ہیں اور اس صورت میں وہ ان خدا کے بندوں کی تعظیم کرتے ہیں تو وہ صرف زبانی اور ظاہری ہوتی

ہے۔ دل سے وہ خدا کی ہی تعظیم اور عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح میں بھی زبان سے عبیداللہ ابن زیاد کی تعریف کرتا تھا لیکن دل سے اس پر لعنت بھیجتا تھا۔ جناب ابراہیم نے کہا بیشک یہ تیرا عذر اور جواب قابل قبول ہے اور یہ صحیح ہے کہ اکثر لوگ پیٹ پالنے کی غرض سے اس طرح کی ملازمتیں کرتے ہیں لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ درصل تیرے دل میں کیا ہے۔ جس کو سوائے خداوند عالم کے اور کوئی نہیں جان سکتا۔ ابراہیم نے خادم کو حکم دیا کہ اس شاعر کو دو سو درہم دیئے جائیں اور شاعر سے کہا کہ جب تک امیر مختار شکار سے واپس نہیں آ جاتے تو یہاں قیام کر۔ امیر جب تشریف لائیں گے تو تیرے ساتھ بہت کچھ سلوک کریں گے۔

اس نے کہا کہ مجھے ایک نہایت ضروری کام ہے اس لئے اب میں گھر جاؤں گا۔ مجھے جو کچھ آپ نے عطا کیا ہے وہی کافی ہے۔ اب مجھے اجازت دی جائے کیونکہ میرے اہل و عیال سخت پریشان ہوں گے۔ جناب ابراہیم نے کہا کہ تو نے دنیا کے فائدے کے لئے دشمن خدا کی خدمت کی جہاں کہیں وہ جاتا تھا تو اس کے ساتھ ہوتا تھا لیکن اس کی وجہ نہیں معلوم کہ تو اپنے برادران ایمانی کی خدمت سے کیوں بھاگتا ہے۔ ابراہیم جس قدر اس کو گھر جانے سے منع کرتا تھا اتنا ہی وہ شاعر بدحواس ہو کر واپس جانے کا اصرار کرتا تھا۔ ابراہیم نے جب اس کی یہ بیتابی دیکھی تو کہا کہ اس شخص کو بڑی بدگمانی ہو گئی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں سچ سچ بتاتا ہوں کہ میری عجلت اور بیتابی کا سبب یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا کہ میں نے عبداللہ بن کامل کی ہجو کی تھی اور مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ امیر مختار کا خدمت گذار نائب ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ مجھے اس کے مذہب کا حال بھی معلوم نہ تھا۔ اب مجھے

اندیشہ ہے کہ جب عبداللہ بن کامل مجھے دیکھے گا تو ضرور مجھے ایذا پہنچائے گا کیونکہ زبان کا زخم تلوار کے زخم سے زیادہ شدید ہوتا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تو نہ ڈر کیونکہ شاعر لوگ مدح بھی کرتے ہیں اور ہجو بھی ان کی زبان کون پکڑ سکتا ہے۔ میں نے یہ سنا ہے کہ مروان کے باپ حکم نے حضرت رسول ؐ خدا کی ہجو میں ستر اشعار لکھے تھے لیکن حضرت نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ اس کو معاف کر دیا۔ تو نہ تو مروان سے بدتر اور نہ عبداللہ بن کامل رسول ؐ خدا سے افضل۔ ابراہیم نے یہ بھی کہا کہ میں خود امیر مختار سے تجھے مانگ لوں گا۔ اب شاعر کے لئے کوئی چارہ نہ رہا۔ خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرہ کا رنگ زرد پڑ گیا۔

ابراہیم نے اس سے کہا کہ تو نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی منقبت میں جو کچھ تصنیف کیا ہے سنا۔ اس نے انتہائی کوشش کی کہ کوئی شعر سنائے لیکن اگر وہ ایسے شعر کہتا یا سنتا تو سناتا۔ وہ خود بنی امیہ میں سے تھا اور محب اہلبیت نہ تھا۔ وہ سخت پریشان ہو گیا۔ عبداللہ بن کامل کا خوف اس کے دل پر چھایا ہوا تھا کیونکہ عبداللہ اس سے بخوبی واقف تھا۔ ابراہیم کو اس کی اس حالت سے یقین ہو گیا کہ یہ دشمن اہلبیت ہے۔ اتنے میں امیر مختار واپس آ گئے۔ عبداللہ بن کامل کی نظر جو اس شاعر پر پڑی تو اس کو بہت تعجب ہوا کیونکہ وہ دن رات اس کی تلاش میں تھا۔ عبداللہ نے س کو مخاطب کر کے کہا کہ تو تو ابوالخلیجی بن حبیب بن امیہ ارتی شاعر ہے اور بنی امیہ کا مداح ہے۔ اس کا اس نے جواب نہ دیا۔

عبداللہ نے پھر دریافت کیا کہ تیرا نام ابوالخلیجی ہے۔ اس نے کہا ہاں میں وہی ہوں۔ عبداللہ نے دریافت کیا کہ تو وہی ہے کہ عاشور کے روز

معرکہ کربلا میں عمر سعد نے تجھے حکم دیا تھا کہ تو میرے پاس بیٹھ اور جو شخص ابو طالب کی اولاد میں مارا جائے نیزہ یا تلوار سے اس کا نام لکھتا جا اور تو وہی ہے جو میدان جنگ میں یہ آواز دیتا پھرتا تھا کہ اے جوانو ان خارجیوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دو اور تو اہلبیت پیغمبرؐ کو گالیاں دیتا تھا اور جس وقت امام حسینؑ شہید ہو گئے اور ان کا سر مبارک نیزہ پر رکھا تھا تو تو آگے آگے امام حسینؑ کی مذمت اور ہجو کرتا جاتا تھا اور انگلی سے سر مبارک کی طرف اشارہ کرتا جاتا تھا۔ اس کے بعد عبداللہ نے امیر مختار سے عرض کیا کہ یا امیر اس سگ ملعون کو تمام حال قاتلان امام حسینؑ کا معلوم ہے اور یہ ان کے نام بخوبی جانتا ہے اور اسے یہ بھی معلوم کہ کوفہ میں یہ لوگ کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں اور جو شخص ان میں سے بھاگ گیا ہے اس کا بھی حال یہ جانتا ہے۔ اس نے سب کے نام اپنے قلم سے لکھے تھے اور معرکہ کربلا میں یہ ان لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھارتا تھا۔ اس نے جو کچھ آل رسولؐ کے ساتھ کیا کسی اور نے نہیں کیا۔

یہ حال سن کر ابراہیم بہت ہنسے اور اس مردود شاعر سے کہا کہ ابھی تو نے یہ کہا تھا کہ میں علی کا شیعہ ہوں۔ تجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اب مجھ پر یہ واجب ہے کہ جو کچھ میں نے تجھے دیا وہ چھین لوں۔ چنانچہ وہ چھین لیا اور مختار کے کان میں کچھ کہا۔ مختار نے شاعر سے کہا کہ اے ابوالطیبی کیا تو یہ چاہتا ہے کہ تجھ کو قتل نہ کیا جائے۔ اس نے کہا ہاں۔ مختار نے کہا اچھا میں تجھ سے جو کچھ پوچھوں وہ سچ سچ بتا دے تو میں تجھے چھوڑ دوں گا۔ اس نے سچ سچ بتانے کا اقرار کیا۔ پھر مختار نے کہا کہ مجھ کو ان لوگوں کے صحیح نام بتا دے جو حضرت امام حسینؑ کے قتل میں شریک تھے اور کس شخص کے

ہاتھ سے آپ شہید ہوئے تھے اور کس نے ان حضرت کے بدن پر زخم لگائے تھے۔ ابوالخلیعی نے کہا کہ میں اس حال سے بخوبی واقف ہوں اور ان لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں اور سب کا حال بتا دوں گا۔ بشرطیکہ مجھ کو رہا کر دو۔ مختار نے اس کی درخواست کو قبول کیا اور کہا کہ جیسا تو کہتا ہے ویسا ہی ہو گا۔

مختار نے اس سے دریافت کیا کہ کیا پہلے امام حسینؑ کے نیزہ کس شخص نے مارا تھا۔ اس نے کہا "وائل" نے۔ پھر دریافت کیا تلوار کس نے ماری تھی۔ اس نے کہا کہ اول درامہ بن شریک نے، اس کے بعد خولی اصبحی نے اور پھر بشیر ابن شوط نے اور پھر عبداللہ ابن اسد نے اور اس کے بعد سنان بن انس اور پھر ابجر بن کعب نے تلواریں ماریں۔ یہ سن کر مختار نے کہا الحمدللہ ان میں سے اکثر کو میں قتل کر چکا ہوں اور جو باقی ہیں ان کو بھی قتل کروں گا۔ پھر مختار نے دریافت کیا کہ وہ کون کون لوگ تھے جنہوں نے حضرت امام حسینؑ کے جسم اطہار پر گھوڑے دوڑائے تھے۔ ابوالخلیعی نے کہا سب سے پہلے اسحاق بن خضری تھا پھر بشیر بن یزید اور علقمہ بن سالم اور اسحاق ابن اشعث نے گھوڑے دوڑائے تھے۔ مختار نے کہا کہ ان میں سے بھی اکثر لوگ میرے ہاتھ سے قتل ہو چکے ہیں۔ اچھا حضرت علی اکبر کو کس نے شہید کیا اس نے جواب دیا حکم بن طفیل نے پھر پوچھا کہ جعفر بن علی کو کس نے شہید کیا اس نے جواب دیا کہ خولی بن نوفل نے۔ عبداللہ بن علی کا قاتل کون تھا۔ اس نے کہا کہ جب عبداللہ نے اٹھارہ عمر سعد کے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا تو اس وقت فوج کی بڑی جماعت نے ان کو اپنے نرغہ میں لے لیا اور چاروں طرف سے ان پر حملہ کیا۔ آخر وہ ثبیت ابن خضری کے ہاتھ

سے شہید ہوئے۔ یہ واقعہ سن کر سب حاضرین دربار رونے لگے۔ پھر مختار نے پوچھا کہ ابو بکر بن علی کو کس نے شہید کیا تو اس نے کہا کہ ان کا قاتل خالد و عقال ہیں۔ کہتے ہیں کہ روز عاشورہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے سات صاحبزادہ شہید ہوئے تھے۔ پھر مختار نے پوچھا کہ حضرت قاسم ابن الحسن کو کس نے شہید کیا۔ اس نے کہا کہ خفیفہ المقتوی نے شہید کیا۔ مختار نے دریافت کیا۔ محمد ابن علی ابن جعفر ابن عقیل کس کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ جواب دیا کہ عروہ ابن عبداللہ نخعی ان کا قاتل ہے۔ پھر پوچھا کہ بھیان غلام حضرت حمزہ کو کس نے قتل کیا۔ جواب دیا کہ دو آدمیوں نے مرہ بن عبدالصمد الباہلی اور عمر بن قطب نے اس کے بعد مختار نے ابوالحلیقی سے فرمایا کہ میں نے تیرا قصور معاف کیا۔ اب تو اپنے گھر کو جا اور آئندہ سے توبہ کر اور پھر مجھے اپنی صورت نہ دکھانا۔ وہ وہاں سے روانہ ہوا۔ عبداللہ بن کامل نے مختار کے غلاموں کو آنکھ سے اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ جوں ہی وہ دارالامارہ سے باہر نکلا اس کو گھیر کر غلاموں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس کا سر کاٹ کر اور ایک پرزہ اس کے نام کا لٹکا کر دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔ مختار کو جب اس کے قتل کی اطلاع ہوئی تو شکر خدا کیا۔

ہم نے حضرت ابو طالب کی اولاد سے بنی امیہ کی دشمنی دیکھی۔ بنی امیہ نے ان کی اولاد کے ساتھ ہر ظلم روا رکھا۔ پانی بند کیا۔ بچے پیاس کی شدت سے اور کربلا کی تپتی ریت کی گرمی کی وجہ بلبلا بلبلا کر ہائے پیاس ہائے پیاس کرتے تھے۔ لیکن ظالموں کے پتھر دل نہ پسیجتے تھے۔ ہر مذہب میں مردہ جسم کی بے حرمتی منع ہے لیکن معرکہ کربلا میں شہیدوں کی لاشوں اور بالخصوص اولاد ابو طالب کی لاشوں پر گھوڑے دوڑائے گئے۔ ان کے جسم

ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ کیسے ظالم تھے وہ لوگ اگر چار سال کی بچی خیموں میں آگ لگنے کی وجہ سے بھاگ کر اپنے باپ سے فریاد کرنے جا رہی ہے اور اس کے کرتہ میں آگ لگی ہوئی ہو اور ظالم منہ پر طمانچہ مار کر کانوں سے در کھینچ کر زخمی کر دیتا ہے۔ خون جاری ہو جاتا ہے لیکن اس شقی القلب کو رحم نہ آیا۔ خداوند عالم ان درندوں کے ظلم دیکھتا رہا اس کے حبیب کی آل کٹتی رہی وہ دیکھتا رہا۔ اس کے حبیب کا حبیب پنجتن پاک جن کی پاکیزگی کی قرآن گواہی دیتا ہے کا آخری فرد حسینؑ کس بے دردی سے شہید کیا گیا۔ لاشہ پامال کیا گیا اور باری تعالیٰ دیکھتا رہا۔ بچوں اور مخدرات عصمت کے برہنہ سر اور زنجیروں میں بندھی ہوئی بے کجاوہ اونٹوں پر بیٹھی قافلہ کی صورت میں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ لیکن جب اس منتقم حقیقی کا دست انتقام بلند ہوا تو اس کا نظارہ ہم نے دیکھا لیکن یہ انتقام ان شہیدوں کے خون کا انتقام ذرہ برابر بھی نہیں۔ حقیقی انتقام تو جب لیا جائے گا کہ جب حضرت ابو طالب کی نسل سے آخری امام ظہور فرمائیں گے اور خون ناحق حضرت امام حسینؑ کا بدلہ لیں گے۔ پروردگار ظہور امام زمانہ علیہ السلام میں تعجیل فرما آمین۔

حرملہ' زیاد ابن رفلہ یا یزید ابن وقادہ عمر بن حجاج' حکم بن طفیل (قاتل حضرت عباس علیہ السلام) شمر ذی الجوشن کی ہلاکت

پروردگار عالم کی ہر ذی روح مخلوق خواہ انسان ہوں' حیوان ہوں' چرند ہوں' پرند ہوں یا درند ہوں نوزائیدہ شیرخوار بچوں پر سوائے رحم کے ظلم نہیں کرتے۔ ایسے واقعات بارہا دیکھنے سننے اور پڑھنے میں آئے ہیں کہ انسان کے ایسے بچے کی حفاظت درندوں نے کی' سانپوں نے کی کوئی گزند نہیں پہنچائی۔ حتیٰ کہ پرورش تک کی۔ لیکن آج ہم ایک انسان نما درندہ صفت کہنا بھی غلط ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ سخت الفاظ نہیں ملتے۔ سوائے ظالم ترین وحشی شخص کا ذکر کرتے ہیں جس نے چھ ماہ کے پیاسے شیرخوار کو باپ کے ہاتھوں میں اپنے تیر سہ شعبہ کا نشانہ بنا کر شہید کیا۔ گلے سے خون بہا' باپ کے جذبہ محبت نے اس خون کو اپنی ریش مبارک اور چہرہ پر مل کر بارگاہ ایزدی میں ان الفاظ میں فریاد کی کہ اے اللہ میں تیرے فیصلہ پر راضی ہوں اور تیرے حکم پر سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ اس ظالم کا انجام کیا ہوا بیان کیا جاتا

منہال جب سفر حج اور زیارت علی ابن الحسین علیہ السلام سے واپس آیا اور شہر کوفہ میں داخل ہوا تو اس کے سینہ میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی۔ راہ میں امیر مختار سے ملاقات ہوئی جو گھوڑے پر سوار تھے۔ سلام کیا۔ مختار نے کہا منہال اب تک کہاں رہے اور میرے شریک کار کیوں نہیں ہوئے۔ منہال نے کہا اے امیر میں حج کو گیا تھا اب واپس آ رہا ہوں۔ اتنے میں کچھ لوگ مختار کے پاس حرملہ کی گرفتاری کی خوشخبری لائے۔ مختار فوراً دربار میں آئے اور اس ملعون کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ اسے پیش کیا گیا جس کو دیکھ کر امیر مختار کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ فرمانے لگے کہ خدا کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ جس نے تجھ جیسے ظالم ترین شخص پر مجھے قابو دیا اور تو وہ ہی بدترین مخلوق ہے کہ جس نے امام علیہ السلام کی اس چھوٹی سی بچی کو بھی لوٹ لیا جو ابھی آغوش مادر میں رہنے کے لئے تھی۔ تیری درندگی تیری بے رحمی تیری سنگدلی کی کوئی حد بھی تھی۔ بدکار سنگدل دکھا کہ تیرے اس تاریک سینے میں دل بھی ہے یا پتھر کی سل۔ یہ مانا کہ تیرے دل میں ایمان کی جھلک تک نہ تھی تو کیا تجھ میں آدمیت و انسانیت بھی نہ تھی۔ انسان نما بھیڑیے کیا تجھے اپنے بازوؤں کی طاقت آزمانے کے لئے معصوم شیرخوار پیاسے کے پھول سے گلے کے سوا اور کچھ نہ ملا تھا۔ کل جب میدان حشر میں امام تشنہ کام کا لخت جگر ننھا شہید علی اصغر اپنے گلے میں تیر لئے اس منتقم حقیقی سے فریاد کرے گا اور داد خواہی کرے گا تو تو کیا جواب دے گا۔ اے سنگدل سنتا ہوں کہ جب علی اصغر معصوم نے پیاس کی شدت جتانے کے لئے اپنی زبان نکالی تو فوج یزیدی کے گھوڑے تک رونے لگے لیکن

اور وحشی تیرا دل نہ پسیجا۔ مانا کہ تجھے عمر سعد نے حکم دیا تھا۔ انکار کر سکتا تھا۔ تیرا تیر خطا کر سکتا تھا۔ تو نے یہ بھی دیکھا تھا کہ بچے کی زبان دیکھ کر فوج نے رونا شروع کر دیا تھا لیکن تو آدمی نہ تھا انسان نہ تھا۔ تیرا دل پتھر کا تھا رحم نہ کھایا منع کر سکتا تھا بہانہ کر سکتا تھا لیکن نہ کیا۔ اللہ اللہ ننھی سی جان اور وہ بھی پیاسی بھوکی نیم جان اور تیرا تیر تیری کمان مردود شقی ابدی اب تجھے حق نہیں کہ اللہ کی اس زمین پر دم مار سکے۔ لے اب ذرا تیر ستم کا مزہ بھی چکھ یہ کہہ کر مختار نے ایک تیر اس ظالم کی گردن پر ایسا مارا کہ پار ہو گیا اور مردود اونٹ کی طرح بلبلاتا ہوا فی النار ہوا۔ امیر مختار کے اشارہ پر ہر چہار طرف سے تیروں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی ظالم کا جسم چھلنی ہو گیا۔ لاشے آگ میں ڈال دیا گیا اور سر کاٹ کر کان میں پرچہ باندھ کر دروازہ پر لٹکا دیا گیا۔

یہ واقعہ دیکھ کر جناب منہال نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا اے امیر فریضہ حج سے فارغ ہونے کے بعد جب میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں تو حضرت نے مجھ سے کوفہ کے حالات معلوم فرمائے اور اپنے پدر عالی مقام کے قاتلان کے فی النار ہونے کے حالات مجھ سے سن کر مسرت کا اظہار فرماتے رہے۔ حضرت نے خصوصیت کے ساتھ مجھ سے اس ظالم حرملہ کے متعلق دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ مولا ابھی تک وہ ملعون نہیں مارا گیا۔ حضرت نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند فرما کر دعا فرمائی۔ بار الہا میرے ننھے معصوم بھائی علی اصغر کا انتقام جلد حرملہ شقی سے لے کر میرا دل ٹھنڈا فرما۔ اے امیر میں نے دیکھا کہ آج حضرت سید الساجدین کی دعا تمہارے ہاتھوں پوری ہوئی۔ اس لئے میں نے

تکبیر کہی۔

یہ سن کر مختار زار و قطار رونے لگے اور سجدۂ شکر میں گر گئے اور کافی دیر تک روتے رہے۔ سجدہ شکر سے سر اٹھا کر دو گانہ شکر پڑھا۔ منہال کہتے ہیں کہ میں رخصت ہوا۔ امیر مختار مجھے میرے گھر تک پہنچانے آئے میں نے بڑی منت و سماجت سے کہا کہ کھانے کا وقت ہے کچھ ماحضر نوش فرما لیں۔ امیر مختار نے فرمایا میں تو آج اس شکریہ میں کہ امام اٹام کی دعا میرے ہاتھوں مقبول ہوئی روزہ رکھوں گا۔ امیر مختار کو سب سے زیادہ شمر ذی الجوش کی فکر تھی کیونکہ جناب محمد حنفیہ کے تاکیدی خطوط اس شقی کے سر کی طلبی میں آ چکے تھے لیکن یہ ظالم چھپتا پھرتا تھا۔

امیر مختار کو جب یہ خبر معلوم ہوئی کہ زیاد ابن رقاد یا اور یزید ابن ورقاء کو بھی گرفتار کر لیا گیا ہے تو ان کو اپنے سامنے بلایا اور پوچھا کہ تو نے حضرت عباس ابن علی کو کس طرح قتل کیا تو اس نے کہا کہ میں نے ایک تیر مارا تھا جو آنکھ پر لگ کر پار نکل گیا۔ مختار نے تیر کمان منگا کر ایک تیر مارا۔ اتفاق سے حکیم نے بھی تیر مارا جو آنکھ سے پار نکل گیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ عمر بن حجاج گرفتار ہو گیا ہے۔ جس نے حضرت امام حسینؑ پر تلوار چلائی تھی۔ مختار کے دربار میں اس کو لایا گیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔ اس کے بعد مختار نے کہا کہ تم ادنیٰ قسم کے لوگ اور ضعیف گرفتار کر کے لاتے ہو قاتلان امام اٹام کے سرغنہ لوگوں کو کیوں نہیں لاتے۔ عبداللہ کامل اور ابو عمر ابن حاجب نے عرض کیا کہ ہم ان ملعونوں کی تلاش میں ہیں اور عرض کیا۔ حضرت عباس کا قاتل حکم ابن طفیل ہے جو اپنے مکان میں پوشیدہ اور عدی ابن حاتم طائی اس کی حمایت کرتا ہے۔ عدی نہایت بزرگ

اور محترم شخص تھا۔ مختار نے حکم ابن طفیل کی گرفتاری کا حکم دیا جو فوراً گرفتار کر کے لایا گیا۔ جب عدی کو یہ علم ہوا کہ اس کے دوست حکم ابن طفیل کو گرفتار کر لیا گیا فوراً عبداللہ ابن کامل کے پاس پہنچا اور کہا کہ اس کو مجھے بخش دے۔ عبداللہ نے کہا کہ یہ عباس ابن علی کا قاتل ہے میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ عدی یہ سن کر اسی وقت مختار کے پاس پہنچا۔ عبداللہ ابن کامل نے یہ خیال کر کے کہ کہیں امیر مختار عدی کی سفارش پر اس کو نہ چھوڑ دے تلوار نکالی اور اس کے ٹکڑے کر دیئے۔ امیر مختار نے عدی کو عزت و احترام سے اپنے قریب بٹھایا۔ عدی نے کہا کہ میں ایک خاص کام سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ مختار نے کہا فرمائیے میں تعمیل کروں گا۔ عدی نے کہا کہ حکم ابن طفیل کو مجھے بخش دیجئے۔ مختار نے کہا کہ عدی تم جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر رہے ہو تم کو یہ بات کہتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ آنحضرت کے فرزندوں کے قاتل کی رہائی چاہتے ہو۔ تمہیں خود قتل کر دینا چاہیئے تھا۔ عدی نے اصرار کیا۔ مختار نے سر جھکا لیا اور کہا کہ میرے لئے اس شرط پر اس کی رہائی ممکن ہے کہ وہ کوفہ میں نہ رہے اور کبھی کوفہ میں نہ آئے گا بلکہ عراق میں بھی قدم نہ رکھے گا۔ عدی نے قبول کیا۔ اسی اثنا میں عبداللہ ابن کامل پہنچا۔ مختار نے دریافت کیا کہ تو نے کیا کارروائی کی۔ عبداللہ نے کہا یا امیر جب اس کی گرفتاری کی خبر شہر کوفہ میں ہوئی تو کوفہ والوں نے شور مچایا کہ یہ حضرت عباس کا قاتل ہے اس کو ہمارے حوالے کرو ہم خود قتل کریں گے۔ انہوں نے مجھ سے چھین کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے ہیں۔ یہ اس کا سر موجود ہے۔ عدی نے کہا یہ غلط کہتا ہے جب اس کو معلوم ہوا کہ میں آپ کے پاس آیا ہوں اور آپ میری سفارش

مان لیں گے۔ اس نے خود قتل کر ڈالا۔ عبداللہ نے کہا کہ اگر تم یہی کہتے ہو تو میں نے ایک شرابی اور فاسق کو قتل کر دیا تو کیا برائی کی۔ یہ حضرت عباس کا بھی قاتل تھا۔ مجھے اللہ اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ مختار نے سجدہ شکر ادا کیا۔ عدی سخت غصہ میں ناراض ہو کر چلا گیا۔ جب شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ مختار نے قاتلان امام حسینؑ کے معاملہ میں عدی جیسے بزرگ اور محترم کا بھی خیال نہ کیا اور اس کا داماد قتل کر ڈالا تو لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا اور اکثر معززین جو خون امام حسینؑ میں شریک تھے۔ شہر کے مختلف مقامات میں پوشیدہ ہو گئے۔ ان میں شمر ذی الجوشن سنان ابن انس اسحٰق ابن اشعث۔ زید ابن محارب اور قرو بن عبدالصمد شامل تھے۔ یہ لوگ اور دوسرے لوگ ایک جگہ جمع ہوئے شمر نے کہا کہ اب ہمارا کوفہ میں رہنا ٹھیک نہیں۔ ہم راتوں رات بصرہ کو چلے جائیں۔ چنانچہ سب کے سب بصرہ کی طرف بھاگ نکلے۔ اس محلہ کے لوگوں نے ان کو دیکھ لیا تھا وہ عبداللہ ابن کامل وہ خبر لے کر اور حارث بن مرہ اور سنان ابن انس کو زندہ گرفتار کر کے ہیں۔ عبداللہ نے یہ سن کر کہا کہ ضرور ان لوگوں میں شمر بھی ہو گا۔ اس واقعہ کی خبر مختار کے غلام خیر کو ہوئی وہ فوراً آیا اور عبداللہ سے کہا کہ تم واپس جاؤ میں ان لوگوں کے پیچھے جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر چلا۔ جب ان کے قریب پہنچا تو شمر نے اسے پہچان لیا۔ اس نے خیر پر حملہ کیا جو بچ گیا لیکن اس کا ایک ساتھی مارا گیا۔ مختار کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ غصہ ہوا اور خیر سے کہا کہ تو کیوں ان لوگوں کے پیچھے گیا تھا اور وہ غلام قتل کرا ڈالا۔ خیر نے کہا کہ عبداللہ نے مجھے بتایا تھا کہ شمر بھی ان لوگوں میں ہے۔ تو میں اس خیال سے کہ وہ میرے ہاتھ سے قتل ہو

اور میں خداوند کریم سے اس کا اجر پاؤں۔ مختار نے پھر عبداللہ ابن کامل اور ابو عمرہ اور ابن حاجب اور ان کے ساتھیوں کو شمر کی تلاش میں بھیجا۔ شمر اور اس کے ساتھی ایک گاؤں کلتانیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ عبداللہ وغیرہ بھی اسی گاؤں میں ایک مقام پر ٹھہرے۔ مسلم ابن عمرو جو شمر کے ساتھ تھا اس کو شمر نے گاؤں کے مؤذن اور امام مسجد کو بلانے بھیجا۔ جن کو وہ بلا لایا۔ شمر نے ان سے کہا کہ ایسے دو آدمی چاہیئے جو عام راستہ کے علاوہ کسی دوسرے راستہ سے بصرہ پہنچا دیں۔ تو وہ دو آدمی لے آئے۔ ایک جوان تھا اور دوسرا بوڑھا۔ بوڑھا مسلمان تھا اور جوان یہودی تھا۔ شمر نے اس یہودی کو ایک خط مصعب ابن زبیر کے نام لکھ کر دیا کہ اس کے پاس اس خط کو پہنچا دے۔ یہ روانہ ہوا اس راستہ سے جہاں عبداللہ اور اس کے ساتھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ عبداللہ کے لوگوں نے اسے گرفتار کر لیا اور عبداللہ کے سامنے پیش کیا تو اس نے بتایا کہ ایک شامی بدصورت آدمی جو ظالم معلوم ہوتا ہے نے اس کو ایک خط دے کر بصرہ بھیجا ہے۔ عبداللہ نے خط لے لیا اور اس کو ساتھ لے کر چل دیا۔ مسلم بن عمرو اپنے خیمہ سے باہر پھر رہا تھا اس نے ایک درخت کے نیچے کمبل بچھا لیا اور اس پر سو گیا۔ اتنے میں اسے آدمیوں کے آنے کی آواز آئی۔ بیدار ہوا تو عبداللہ ابن کامل کو اپنی فوج کے ساتھ آتے دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ شمر اپنے خیمہ سے نکلا صرف معمولی کپڑے پہنے ننگی تلوار لئے عبداللہ کی فوج پر حملہ آور ہوا۔ جب ابو عمرہ حاجب نے دیکھا تو اس نے ایک حملہ کیا اور ایک ایسی ضرب تلوار کی شمر کے لگائی کہ اس کی پیشانی تک کو کاٹ دیا۔ وہ گرا اور مر گیا۔ اس کا سر کاٹا اور عبداللہ ابن کامل وہ سر لے کر اور حارث بن عمرو اور سنان ابن [illegible] کو زندہ گرفتار کر کے

کوفہ کو روانہ ہوا۔ جب کوفہ میں یہ خبر مشہور ہوئی تو تمام لوگ مختار اور ابراہیم بھی سڑکوں پر نکل آئے۔ جب عبداللہ اور اس کے ساتھی پہنچے تو ایک جشن کا سماں تھا۔ لوگ ان قیدیوں اور شمر کے سر پر تھوکتے تھے اور لعنت کی آوازیں دیتے تھے۔ بعض مورخین نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ابو عمرہ کی تلوار سے جب شمر زخمی ہو گیا تو اس کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک اونٹ کی پشت پر باندھ کر کوفہ کی طرف لے چلے۔ جب قریب پہنچے تو اس کو اتار کر گردن میں رسی باندھ کر گھسیٹتے ہوئے دارالامارہ لے گئے۔ اس کے جسم پر سنگ باری ہو رہی تھی۔ وہ خطاکار جس نے نواسہ رسولؐ کو شہید کر کے اپنے کارنامہ پر فخر کیا تھا آج ذلت و خواری کے ساتھ خون میں نہایا ہوا مختار کے سامنے پیش ہوا۔ مختار نے غضبناک ہو کر شمر سے کہا کیوں او مردود کچھ یاد ہے کہ کربلا میں کیسے نعرے لگا رہا تھا۔ اب اقرار کرنا پڑے گا خدا کس طرح ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لیتا ہے۔ شمر خوف اور پیاس سے کانپ رہا تھا۔ سر جھکائے کھڑا تھا ہاں اے نابکار اب اپنے کیے کی سزا بھگت۔ ایک بصری شخص آگے بڑھا اور مختار سے کہا مجھے اجازت دے کہ میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کروں۔ شمر کو اس کے سپرد کر دیا گیا۔ بصری نے شمر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ زمین پر دے پٹکا پھر دونوں گھٹنے اس کے سینہ پر رکھ کر زور سے دبایا کہ ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز سنائی دی اور اس کے ہائے مرنے کی آواز فضا میں گونج رہی تھی۔ مرد بصری نے اپنے خنجر کی دھار کو پتھر پر کند کیا اور شمر کو گرم زمین پر لٹا کر اور خنجر کو پشت گردن پر رکھ کر آرے کی طرح کاٹنا شروع کیا آدھی گردن جب کٹ گئی تو اس کو سیدھا لٹا کر باقی آدھی گردن کاٹ کر سر کو لے کر نعرہ بلند کیا کہ یہ ہے ظالموں کا انجام ہاں یہی ہے۔

دیکھو جو ظالم بے گناہوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں خدا اس دنیا میں کیسی سزا دیتا ہے۔ دیکھو یزید کے اس کتے نے کربلا کے پیاسوں کا خون کس طرح بہایا تھا کس طرح اس نے سینہ امام مظلوم پر دو زانو بیٹھ کر کند تلوار سے شہید کیا تھا۔ ہاں یہی ہے اس ظالم کا انجام جس نے اہلبیت رسولؐ پر وہ وہ ظلم کیے جن کی مثال نہیں ملتی۔ آج اسی طرح اس کو قتل کیا گیا۔ مختار کے حکم سے اس ملعون کا سر منظر عام پر لٹکا دیا گیا تاکہ لوگوں کو اس کے انجام سے عبرت ہو۔ یہ وہ انسان نما وحشی درندہ تھا جس کو شہزادی عالم کی فریاد پر بھی رحم نہ آیا اس کا دل شق نہ ہوا کلیجہ نہ پھٹا جبکہ جگر گوشہ رسولؐ کو بے دردی سے ذبح کیا اور ایک بوند پانی بھی نہ دیا۔ اس ملعون کے کند خنجر کی رکاوٹ اس کے ہاتھوں کو گواہ بنا رہی تھی دیکھو اس ملعون کی زبان کتے کی زبان کی طرح باہر نکلی ہوئی ہے۔ اس نے سمجھ رکھا تھا کہ اس کی رگ فرعونیت کو کاٹنے کے لئے قدرت کسی موسیٰ کو پیدا نہ کرے گی۔ دیکھو آج ہر شخص اس پر لعنت بھیج رہا ہے۔ یہ وہ شقی القلب ہے کہ امام تشنہ کام کے سینہ پر سونے والی بچی کے پھول سے رخساروں پر طمانچے مارے اب دوزخ کے فرشتے اس کو آگ کے گرز مارنے کو تیار ہیں۔ امیر مختار رونے لگے اور حکم دیا کہ اس شقی کا سر ابن زیاد اور عمر سعد کے سر جلد جناب محمد حنفیہ کی خدمت میں پہنچائے جائیں۔ چنانچہ تعمیل کی گئی۔

امیر مختار کی شہادت اور مصعب بن زبیر (قاتل امیر مختار) کا انجام

جب یہ سر جناب محمد حنفیہ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا اور امیر مختار کو دعا خیر سے یاد فرمایا اور تمام سر حضرت سید الساجدین امام زین العابدین کی خدمت میں بھیج دیئے۔ اس وقت حضرت طعام نوش فرما رہے تھے۔ سروں کو ملاحظہ فرما کر سجدہ شکر ادا فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ پروردگار تیرا شکر ہے کہ جس نے ہمارے دشمنوں سے ہمارے خون ناحق کا بدلہ لے لیا۔ اس کو اے خدا جزائے خیر دے۔ اس کے بعد فرمایا کہ جب ہم اہلبیت ابن زیاد کے دربار میں پیش ہوئے ہیں تو وہ شقی بھی کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے اس وقت اپنے پالنے والے سے دعا کی تھی کہ بار الٰہا مجھے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک میں ابن زیاد کا سر بھی اسی طرح نہ دیکھ لوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا قبول فرمائی۔ حرملہ کا منحوس سر

دیکھ کر آپ نے بہت گریہ فرمایا۔ آپ کو جناب علی اصغر کی شہادت یاد آ گئی کہ کس بے رحمی سے اس ملعون نے گلوئے معصوم پر تیر چلایا اور وہ خون ناحق بابا نے اپنے چہرۂ اقدس پر مل لیا تھا۔

امیر مختار اپنے مقصد میں کامیاب اور کامران تھے۔ جس وقت وہ کوفہ کے قید خانہ سے نکل کر حجاز کی طرف جا رہے تھے تو انہوں نے اپنی آنکھوں کو بھینچ کر اور اپنے دانتوں کو پیس کر قسم کھائی تھی کہ ان ظالموں کو نیست و نابود کر کے مظلوم انسانیت کو غلامی کی زنجیروں سے ضرور آزادی دلاؤں گا اور خون ناحق شہدائے کربلا کا انتقام لوں گا۔ مایوس و ناامید انسانیت ان کی نیک نیتی، ارادہ آزاد خواہی کو دیکھ کر دل و جان سے ان کی شریک حال ہو گئی تھی۔ لوگ جانتے تھے کہ مختار نے جو کچھ کیا ہے وہ صرف خدا اور اس کے رسول ؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا ہے۔ سسکتی ہوئی انسانیت کو یزیدیت کے ظالم پنجوں سے نجات دلائی۔ خون آل رسول ؐ کا بدلہ لے کر اہلبیت رسول ؐ کو خوش کیا ہے نہ صرف قاتلان شہدائے کربلا سے انتقام لیا ہے بلکہ جو بھی کسی صورت میں دامے درمے سخنے اور قدمے ان قاتلوں کا شریک حال تھا اسے قتل کیا۔ امیر مختار اپنے ارادوں میں کامیاب تھے وہ کیوں نہ خوش ہوتے کیونکہ انہوں نے مظلوموں کی دادرسی میں کوشش کی تھی اور یہ واضح کر دیا تھا کہ دیکھو ظالموں بدکاروں اور بد طینتوں کا انجام یہ ہوتا ہے۔ بے رحم ظالموں اور تکبر کرنے والے حاکموں کا یہ انجام ہوتا ہے اور امام برحق اور نیک اور مخلص مسلمانوں کو شہید کرنے کی یہ سزا ہے۔ بے شک حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اعزاء و رفقاء نے شہادت پا کر دین خدا اور رسول کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچا کر مسلمان نما دشمنان دین کو

ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر کے دنیا کو یہ بتا دیا کہ ایسے لوگوں جو مال و مقام میں چڑ کر ظلم و استبداد کرتے ہیں اور دین حقہ کو مسخ کرتے ہیں تو یہ خیال ہرگز نہ کرو کہ اللہ ان ستمگاروں کے اعمال سے غافل ہے۔ جب اس قادر مطلق کا دست انتقام بلند ہوتا ہے تو ایک کمزور و ناتواں کو مقرر فرما کر ان کی موت کا سامان مہیا کر دیتا ہے اور ایسے لوگ ذلت و خواری کی موت مرتے ہیں اور کوئی بھی ان کی مدد نہیں کرتا اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا۔ امیر مختار نے قاتلان شہدائے کربلا کو قتل کر کے ان کے نام و نشان کو مٹا دیا۔ عبداللہ بن زبیر حاکم مکہ کا بھائی مصعب بن زبیر امیر مختار سے جنگ کرنے کے لئے مامور کیا گیا۔ یہ دونوں بھائی بنی امیہ کے مخالف ہونے کے باوجود اہلبیت رسولؐ سے دشمنی رکھتے تھے اور اس بات میں بنی امیہ کے ہم خیال تھے۔ مروان کہتا تھا کہ اگر ہم حضرت علی کو بر سر منبر دشنام نہ دیں تو ہماری حکومت مستحکم نہیں رہ سکتی۔ عبداللہ بن زبیر نے بھی چالیس روز تک دوران خطبہ رسولؐ اکرم پر درود نہ بھیجا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو کہا کہ رسولؐ اکرم کے اہلبیت کیونکہ ناشائستہ تھے میں نہیں چاہتا کہ ان پر درود بھیج کر تقویت پہنچاؤں۔ مصعب بن زبیر نے کوفہ پر حملہ کیا اور میدان کناسہ میں مختار کے لشکر کے سردار عبداللہ بن حاتم سے مقابلہ ہوا۔ عبداللہ بن حاتم اپنے آپ کو کمزور پا کر تقریباً دو سو ساتھیوں کے ہمراہ اپنے قبیلہ کی طرف فرار ہو گیا۔ مصعب کا لشکر کوفہ میں داخل ہو گیا اور کوفہ والے خوفزدہ ہو کر دروازے بند کر کے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے۔ مصعب نے دارالحکومت کا محاصرہ کر لیا۔ مختار اپنے باوفا احباب کی وجہ سے پریشان تھا کیونکہ اب نہ وہ کسی کو خط بھیج کر بلا سکتا تھا اور نہ اب کوئی اس کی مدد کو

۔ آ نکلا تھا۔ یہ مقابلہ کئی روز تک جاری رہا۔ غذا اور خوراک کی کمی کی وجہ سے پریشانی بڑھتی رہی۔ آخر کار مختار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خطرہ بڑھتا جا رہا ہے دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہونے سے یہ بہتر ہے کہ ہم مقابلہ کر کے اپنی جان دے دیں اگر خدا نے چاہا تو پھر اپنی قوت بحال کر کے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اگر مارے گئے تو شہدائے کربلا کے ساتھ جنت میں رہیں گے۔ انتقام لے کر تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر بہت سے لوگ مختار سے الگ ہو گئے آخر مختار اور ان کے چند وفادار ساتھیوں نے طے کیا کہ وہ دشمن کے خلاف آخر وقت تک لڑتے رہیں گے۔ ہتھیار سجا کر اور گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ افراد دارالحکومت کے عقب میں آ کر کھڑے ہو گئے مختار نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے دشمن کے قلب لشکر میں گھس گئے جس سے مصعب کا لشکر حیران و پریشان ہو گیا بہت سی تدبیریں کیں کچھ سمجھ میں نہ آیا یہ افراد اس جانبازی اور ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے کہ دشمن کی طاقت ختم ہو رہی تھی۔ مصعب نے یہ مایوس کن منظر دیکھ کر لشکر کو حکم دیا کہ بجائے تلوار کے تیروں سے جنگ کی جائے اور مختار کا محاصرہ کر لیا جائے۔ مختار کی تلوار کے سامنے جو بھی آ تا جان سلامت نہ لے جا سکتا تھا۔ دشمن کا ایک بہادر سردار مختار کی تلوار کا وار کھا کر زمین پر گرا اور اسی حالت میں اس نے اپنی تلوار سے مختار کے گھوڑے کے اگلے پیر کاٹ دیئے۔ گھوڑا گرا مختار زین سے کودے اور پیادہ جنگ کرنے لگے اور آخر وقت تک مصروف رہے کہ ایک تیر نے ان کی ٹانگ کو زخمی کر دیا۔ تاب نہ لا کر مختار زمین پر بیٹھ گئے۔ اٹھنا چاہا کہ ایک ظالم کی تلوار چلی اور مختار ہمیشہ کے لیے عروس شہادت کی آغوش میں

چلے گئے۔ قابل افسوس بات یہ ہے کہ جن لوگوں کی آزادی اور ظلم سے نجات دلانے کی خاطر مختار اور ان کے ساتھیوں نے جنگ کی تھی وہ مختار کا ساتھ چھوڑ گئے اور حق کو پس پشت ڈال کر دشمن کی گود میں مال و دولت کے لالچ میں چلے گئے اور ایک مخلص اور سچے دوست کو ٹھکرا دیا۔ اب جہاں کہیں مختار کا کوئی ہمدرد نظر آتا اس کو قتل کیا جاتا۔ مختار سے دوستی کے شبہ میں گرفتار کر کے مصعب کے روبرو پیش کیے جاتے نعمان ابن بشیر کی لڑکی بھی اسی جرم میں پیش کی گئی۔ مصعب نے اس سے کہا کہ مختار اور اہلبیت رسولؐ سے بیزاری کرو ورنہ قتل کرا دوں گا۔ لڑکی نے جواب دیا کہ ایسے شخص سے جو خدا پرست، روزہ دار نماز گزار اور جس نے اہلبیت رسولؐ کے خون ناحق کا انتقام قاتلوں سے لیا اس سے اور ان پاک اور نیک ہستیوں سے جن کو رسول اکرمؐ نے حکم خدا سے پاکیزگی کی سند دی۔ کیسے بیزاری اختیار کروں۔ میں خوب جانتی ہوں کہ قتل کی جاؤں گی اور بہشت میں خدمت رسولؐ اور آل رسولؐ میں پہنچوں گی۔ مگر تجھ جیسے ظالم نابکار کی اطاعت ہرگز قبول نہ کروں گی۔ اس کے بعد اس لڑکی نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کر کے کہا خداوندا تو جانتا ہے کہ میں تیرے پیغمبرؐ اور ان کی آل کی محبت میں جام شہادت نوش کر رہی ہوں۔

امیر مختار اور ان کے ساتھی مظالم کے سدباب ستم رسیدہ مسلمانوں کو آزادی دلانے اور ایک عادلانہ اسلامی حکومت کے قائم کرنے کے جرم میں قتل کیے گئے۔ خون ناحق شہدا کربلا کا انتقام لینے اور اپنے امام کی پیروی کرنے کی خطا میں شہید کیے گئے۔ وہ امام جس نے سفر کربلا کے وقت فرمایا تھا کہ یزید سے کہہ دو کہ وہ مجھے قتل کرنے کا لیکن یہ بات یاد رکھے کہ

جب مظلوم کا خون بہایا جاتا ہے تو وہ جوش مارتا ہے اور اس خون کا دریا اپنی خوفناک موجوں میں ظالم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غرق کر دیتا ہے۔ مختار اور ان کے ساتھی اسی راہ میں قتل ہو کر حیات ابدی پا گئے تھے اور یہ جانتے تھے کہ آزادی چاہنے والا اور اس پر قربان ہونے والا انسان مرتا نہیں بلکہ حیات جاوید کا مالک بنتا ہے کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ جو اس کی راہ میں قتل ہو جائیں ان کو ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے روزی پاتے ہیں۔ بہرحال مختار ثقفی قرب خدا پیدا کرنے والے امام کا حامی اور اپنے مقصد انتقام خون حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا میں کامیاب ہو چکا تھا اور مرتبہ شہادت پر پہنچنے کے شوق میں مصعب بن زبیر کے ہاتھوں موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔ مصعب بن زبیر کا کوفہ کی حکومت پر پورا تسلط ہو گیا تو اس کی ہوس اقتدار نے ملک شام پر تسلط جمانے کی فکر کی اور یہ سوچا کہ اگر ابراہیم بن مالک اشتر جس کی دھاک عراق و عرب پر ہے اس کو اپنا ہم خیال کر لیا جائے تو اس کی یہ مہم آسانی کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ خبر امیر شام عبدالملک تک پہنچی اس نے اہالیان شام کو طلب کر کے مشورہ کیا تو سب نے کہا کہ مصعب بن زبیر کو تیار ہونے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر دیا جائے چنانچہ ایک لشکر کثیر نے مصعب کی فوج پر حملہ کر دیا۔ سخت جنگ ہوئی مصعب کے ہوش و حواس جاتے رہے اپنے بیٹے عیسیٰ سے کہا کہ فوراً مکہ جا کر عبداللہ بن زبیر کو حالات سے مطلع کر کے کمک لائے لیکن اس نے باپ کو تنہا نہ چھوڑا اور میدان جنگ میں کود پڑا اور قتل ہوا۔ باپ بیٹے کے قتل کی خبر سن کر خود بھی میدان جنگ میں آ گیا اور جان دے دی۔ لشکر کے پیر اکھڑ گئے اور عبدالملک کوفہ کا بھی حاکم ہو گیا۔ ایک روز وہ تخت

حکومت پر بیٹھا فتح کے غرور میں ہنس رہا تھا کہ ایک سردار جو وہاں تھا وہ بھی ہنسا۔ عبدالملک نے اس سے ہنسنے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا اگر جان بخشی کی جائے تو عرض کروں۔ عبدالملک نے اجازت دی تو اس نے کہا اے امیر شام ایک روز میں اسی جگہ بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ رسولؐ کے نواسے کا سر اسی تخت کے سامنے رکھا ہوا تھا اور ابن زیاد اسی تخت پر بیٹھا ہنس رہا تھا۔ پھر ابن زیاد کا سر اسی تخت کے سامنے رکھا تھا اور امیر مختار تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر دیکھا کہ مختار کا سر تخت کے سامنے رکھا ہوا ہے اور مصعب بن زبیر ہنس رہا تھا۔ آج دیکھ رہا ہوں کہ مصعب کا سر سامنے ہے اور امیر شام تخت پر بیٹھا ہنس رہا ہے کل کی خبر نہیں کہ کیا ہو۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اہلبیت اطہارؑ سے حاکمان وقت اور ان کے ساتھی مسلمانوں کو ایسی دشمنی کیوں تھی کہ ان پر دشنام طرازی، ظلم و استبداد اور جور و ستم روا رکھا گیا کہ جس کی مثال نہیں ملتی حالانکہ وہ بھی اسی رسولؐ کا کلمہ پڑھتے تھے جس کے وہ خاندان سے تھے۔ کیا آل رسول حکومت کے طلبگار تھے نہیں کیا کوئی شخص ان کے کردار اور عمل پر انگلی اٹھانے کی جرأت کر سکتا ہے نہیں۔ کیا انہوں نے تعلیمات محمد و آل رسولؐ کی نافرمانی کی تھی نہیں، کیا انہوں نے کسی مسلمان کا حق چھینا تھا نہیں کیا انہوں نے کسی کے عزیز و اقارب کو اپنی ذاتی غرض اور رنجش کی بناء پر قتل کیا تھا نہیں، اس ضمن میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ نے جنگوں میں ان کے آباؤ اجداد کو بحکم رسولؐ قتل ضرور کیا تھا ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایک سبب ہو۔ وہ تو گزشتہ نسلیں تھے۔ پھر امام حسین علیہ السلام سے یزید بیعت کا طالب کیوں ہوا تھا امام علیہ السلام نے سختی سے انکار کیا۔ کیا اس

محرم میں کربلا کے میدان میں ان کے گھر کا صفایا کیا گیا۔ مخدرات عصمت کو سر برہنہ بازاروں، درباروں میں لے جایا گیا۔ معصوم بچوں تک کا بھی قتل کیا گیا حتیٰ کہ شیر خوار بچے جناب علی اصغر کو تیر سے شہید کیا گیا۔ کیا اس بے زبان نے بھی بیعت یزید سے انکار کیا تھا۔ آل رسولؐ کے ہر فرد اور ان کے حامیوں کو قتل کیا گیا۔ پانی بند کیا گیا۔ بھوکا رکھا گیا۔ سروں کو نیزوں پر لٹکایا گیا وجہ یہ تھی کہ مروان کے قول کے مطابق کہ اگر ہم برسر منبر علی کو دشنام نہ دیں تو ہماری حکومت مستحکم نہیں رہ سکتی۔ اس قول سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ حکومت کے استحکام کے لئے گالی دینا اور ظلم کرنا ہر طرح کی اذیت دینا قتل کرنا گھر اجاڑنا آگ لگانا سب کچھ جائز خواہ بوڑھے، جوان اور معصوم بچوں کو بھی قتل کرنا پڑے عورتوں کی بے حرمتی ہو جائے۔ مروان کے کہنے کے مطابق یزید نے استحکام حکومت کے لئے ہر ظلم روا رکھا لیکن کیا اس کی حکومت مستحکم ہوئی۔ قدرت سب کچھ برداشت کرتی ہے لیکن فرعونیت اور ظلم گوارہ نہیں کرتی۔ کربلا میں امام حسینؑ نے ہر ظلم برداشت کیا۔ قدرت دیکھتی رہی جب ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی تب دست انتقام بلند ہوا۔ عاشور کی شام سے ہی مظلوموں کی حمایت میں حکومت کے خلاف آواز بلند ہونے لگی اور یہ آواز رفتہ رفتہ قوت پکڑتی رہی حتی کہ ایک وقت آیا کہ امیر مختار اور ابراہیم بن مالک اشتر جیسے لوگ حکومت کے خلاف کھڑے ہو گئے اور قاتلان شہدائے کربلا کو چن چن کر قتل کیا اور آل رسولؐ کے دلوں کو ٹھنڈا کیا اور ان کے ماننے والوں کے زخمی دلوں پر مرہم رکھا لیکن کیا یہ انتقام اس ظلم و ستم کے مقابلہ میں کافی تھا۔ آج بھی اس دنیا میں یزید کے پیرو موجود ہیں اور ایسے حاکم بھی ہیں جو ظلم کرتے ہیں اور غریب عوام کو جور و ستم کا

اشک بہاتے ہیں۔ امام مظلومؑ کے ماننے والوں پر بھی ستم ڈھایا جاتا ہے۔ وہ منتظر ہیں کہ خانوادۂ رسالت کا آخری امام ظہور فرمائے اور ان ظالموں سے انتقام لے کر صحیح اسلامی حکومت جو عدل و انصاف پر مبنی ہو قائم فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ترجمہ زیارت امیر مختار

سلام ہو آپ پر اے خدا کے نیک بندے

سلام ہو آپ پر اے نصیحت کرنے والے ولی

سلام ہو آپ پر اے ابو اسحاق مختار

سلام ہو آپ پر اے کافروں اور فاجروں سے انتقام لینے والے بہادر

سلام ہو آپ پر اے حضرت رسولؐ اور امام زین العابدینؑ کے مخلص

سلام ہو آپ پر جس سے راضی ہوئے احمدؐ مختار اے یکتائے روزگار

سلام ہو آپ پر جس نے خوشنودی و نصیحت ائمہ طاہرینؑ میں جانفشانی کی

سلام ہو آپ پر اے مختارؒ خدا آپ کو رسولؐ مختار اور ائمہ اطہار کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے

ہماری مطبوعات

○ ——— "ظہور امام مہدی علیہ السلام قریب تر ہے" یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں امام آخرالزمان علیہ السلام کے ظہور کا تذکرہ' ان واقعات کا ذکر جو ظہور سے قبل رونما ہوں گے' غیر مذاہب کے لوگوں کی اور مستقبل شناسوں اور نجومیوں کی پیش گوئیاں۔ دوسرے حصہ میں مسلمانوں کی حالت زار' یہودیوں اور عیسائیوں کا کردار' ظہور کی علامتیں' ناسٹروڈیمس کی پیش گوئیاں' آخری جنگ عظیم کا تذکرہ اور تیسرا حصہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت' طول عمر' انبیاء علیہم السلام کی غیبتیں' تیسری عالم جنگ' خلائی مخلوق کا انسانوں سے رابطہ اور پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ چوتھا حصہ مزید پیشنگوئیوں' خطبہ سرکار امام زمانہ ظہور کے وقت کا تعین' صحیفہ دانیال میں ظہور کے واقعات' عزیز مصر اور دریائے نیل اور اہرام مصر کی صحیح روایات اور دیگر علامات پر مشتمل ہے۔

○ ——— "اسلام اور امیر اسلام" جس کتاب میں "اسلام" اور "امیر اسلام" کی وضاحت قرآن اور احادیث کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اللہ کی اطاعت' رسول صلی اللہ علیہ وسلم و اولی الامر کی اطاعت اور اولی الامر کی وضاحت قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے۔

○ ——— مقتل حسین علیہ السلام مصنفہ' فخرالاماجد والاماثل سید عبادت حسین نقوی الامروہوی۔ یہ کتاب چودہ مجالس پر مبنی ہے جس میں

فضائل و مصائب عالمانہ اور اچھوتے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب دوسری بار شائع کی گئی ہے۔

○ ــــــ آداب علم و معاشرت میں ان آداب کا تذکرہ کیا گیا ہے جو رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ائمہ علیہم السلام کے بیان کردہ ہیں۔ معلم اور طالب علم کے حقوق و فرائض اور علم حاصل کرنے کے طریقے، تدریس کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ نیز معاشرت اور احادیث نبوی اور اقوال ائمہ طاہرین کی روشنی میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

○ ــــــ حج اور اس کا عبادی و سیاسی پہلو اور مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے سلسلہ میں مغرب کے منحرف شدہ اسلام کے کردار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

○ ــــــ "ظہور قائم بالعدل" یہ کتاب مولانا سید لیاقت حسین صاحب قبلہ ہندی حال مقیم حوزہ علمیہ زینبیہ دمشق شام و دیگر علماء نے حضرت صاحب العصر والزماں کے حالات اور واقعات اور گزشتہ امتوں کی سنتیں جو اس امت میں ہوں گی اور امام صاحب العصر والزمان کی تلاش و ناکامی اور آپ کی لوگوں سے ملاقات پر مبنی ہے۔ تالیف فرمائی۔

ناشر

ناصر مہدی نقوی